سیر پنجاب

یعنے

وہ روزنامچہ جو عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی راجۂ راجایاں

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی۔سی۔آئی۔ای۔

پیشکار دولت آصفیہ سابق مدار المہام سرکار عالی

المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکاں نے

زمانۂ سفر پنجاب میں اپنے قلم سے

تحریر فرمایا

باہتمام محمد رحمت اللہ رعد

نامی پریس کانپور میں چھپا

سنہ ۱۹۱۵ع

داخلہ نمبر	١٢٢٣٠ ~~٨٦٥٥~~
فن نمبر	ح ٣
کتاب نمبر	٣٢



ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی۔ آئی ای۔
پیشکارِ دولتِ آصفیہ سابق مدار المہام سرکارِ عالی المتخلص بہ شادؔ تلمیذ حضرتِ آصف غفرانمکان۔

فہرست مضامین سیرِ پنجاب

تمہید

وحدہٗ لاشریک لہٗ

تہذیب اور شائستگی کا عمدہ اور اعلیٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح پر اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام اور خوشی اور تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہونچے اور ایسے وسیلے بہم پہونچائے جائیں جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جائے۔ باقی وہ اُمور جو طرزِ معاشرت اور طریقِ تمدّن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسرِ زندگانی کے ایسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شائستہ اور مہذب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب و ہوا وغیرہ کے لحاظ سے اِس بات پر غور کر سکتا ہے کہ اِن اُموریں سے کس امر سے مجکو آرام ملے گا اور کس سے میں بخوبی تندرست رہ سکتا ہوں۔ کون سی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور میرا کون سا کام دوسروں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

جس آدمی کا خیال شائستہ ہے اُسکے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں جس سے وہ تمام خوشیاں اور آرام جو تہذیب و شائستگی کا نتیجہ ہیں حاصل ہوں۔

مگر ہم کیونکر مہذب اور شائستہ ہو سکتے ہیں؟ کیا گھر کی چار دیواری میں ہمکو شائستگی و تہذیب کی بلندی کا زینہ مل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسکے لئے ہمکو لازم ہوا کہ سفر کریں۔ دُنیا کے عجائبات پر نظر ڈالیں۔ ہر ملک اور ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کے طرزِ معاشرت اور طریقۂ تمدن کو دیکھیں۔

ہمارے خیالات اُسوقت تک کبھی عمدہ اور شائستہ نہیں ہو سکتے جبتک دوسروں کے خیالات سے معاوضہ نہ کیا جائے۔ جسطرح مال و دولت پھیر بدل سے بڑھتا ہے اسیطرح خیالات کی بھی سفر کی دلچسپیوں سے ترقی ہوتی ہے۔

سفر کے اثرات نہایت وسیع ہیں۔ انسان کے تمام افعالِ ارادی، اخلاق، معاملات، معاشرت، تمدن، طریقۂ تمدن، صَرفِ اوقات، علوم، تمکن، وقار اور قدر و منزلت، عجائبات قدرت کا نظارہ، ہر ملک کے لوگوں سے تبادلہ خیالات، معلومات، صحت، شہرت وغیرہ۔ یہ تمام باتیں ایک سفر ہی کے اثر سے وابستہ ہیں۔

تمام دُنیا کے بانیانِ مذاہب نے عام اِس سے کہ وہ کسی مذہب و ملّت کے حامل ہوں "السفر وسیلة الظفر" کی صداقت کو ایک حد تک تسلیم کرلیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اِس پُر معنی جملہ میں دینی اور دنیوی ترقیات کے بیشمار اسرار پوشیدہ ہیں۔

سب سے پہلے دنیا میں جس شخص نے اِس جملہ کے اثرات کا عملی تجربہ کیا ہے وہ وہ ہے جسکی مقدّس ذات ہر مذہب وملّت کے نزدیک آبادی دُنیا کی بانی مبانی تسلیم کی گئی ہے اور جسکو لفظ **آدم** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میں اِس امر کے اظہار سے قطع نظر کرتا ہوں کہ وہ دُنیا میں کب آیا اور آج کتنا زمانہ ہوا مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اِس بزرگ اور واجب التعظیم والاکرام ذات نے واجب الوجود کے منشاء مشیّت کو پاکر پہلا جو کام کیا وہ سفر تھا کیونکہ اس ستودہ صفات ذاتِ مقدس کو دنیا میں آنے کے بعد جو اپنی ڈیوٹی کے لحاظ سے اُن کا فرض تھا وہ آبادی دنیا کی ترقی تھی۔

چونکہ اسکو احکم الحاکمین نے ممکناتِ عالم پر اپنا نائب اور حقائق موجودات کا جاننے پہچاننے والا حاکم قرار دیا تھا اس لئے اسکو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا وہ معزز خطاب دیا جو سب سے پہلا خطاب تھا اور جو خدائے واحد کی طرف سے بنی نوع انسان کو عطا ہوا تھا۔

اِس بزرگ اور جامع الصفات نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں جو کام انجام دیا وہ یہ تھا کہ دُنیا کی کشادگی پر ایک تفصیلی نظر ڈالکر اپنی اولاد میں سے جس کو جس طرف مناسب خیال کیا روانہ کیا۔

ان رہروانِ منزلِ معرفت وحقیقت نے اثناء سفر میں مختلف حصص زمین پر قبضہ کر کے حقائق موجودات پر نظر ڈالی اور اپنی راحت وآرام کے اسباب وسائل

تلاش کرنے شروع کیے اور اپنے اپنے آباد کیۓ ہوئے مقام کا نام اپنے نام سے موسوم کر دیا۔

جب دُنیا کی آبادی کا درخت ایک حد تک جڑ پکڑ گیا تو اب سفر کی نوعیت معلومات انسانی سے بدل گئی اور یہ ضرورت اُسوقت تک باقی رہیگی جبتک دُنیا باقی ہے۔

تہذیب۔ شائستگی۔ اخلاق۔ علم۔ سفر ہی کی برکتوں کے اثر کا سرمایہ ہے۔ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت نے سفر ہی کے دامن میں پرورش پا کر دُنیا پر روشنی ڈالی تھی اور اَب فلسفہ و حکمتِ جدیدہ نے سفر ہی کی بدولت نشو و نما پا کر علوم یونانیہ کی غلطیاں نکالکر علوم جدیدہ کی مستحکم بنیاد قائم کر دی ہے۔

مغربی اقوام کی جہالت۔ بداخلاقی۔ ناشائستگی۔ پر زیادہ نہیں صرف دو تین سو برس اُدھر اگر نظر ڈالی جاۓ تو تیرہ و تار گھٹا چھائی ہوئی نظر آئیگی۔ علم کی تحصیل کو تحصیل حاصل جانتے تھے۔ علم کا دعویٰ تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ تہذیب و شائستگی واخلاق و عادات کاہلی و عیش پسندی کے ایسے گہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جنکی بدنما رنگت اُس قوم کے لئے دلیل ادبار ہوگئی تھی۔ مگر انھیں میں سے بہت سے لوگ کھڑے ہوگئے اور مختلف حصص دنیا کا سفر کر کے اپنی قوم کی ترقی کے لئے دلیلِ راہ بنگئے آج وہی قوم ہے جسکی اقبالمندانہ ترقیوں میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

سفر اخلاقی اور روحانی نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے تمدّن اور حسن معاشرت کی اصلاح کرتا ہے۔ صنّاعِ ازل کی دلچسپ سینریاں اور کوہ و صحرا کے مناظر دکھاتا ہے۔ زمانہ اور زمانہ کے طبائع علوم اور علوم کے نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔

سفر اس امر کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک حدتک اسکا یہ دعویٰ صحیح اور قابل العمل بھی ہے کہ "میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالوں گا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملا دونگا۔ ہر روز اپنے پیروں کو نئے نئے مناظر دکھاؤنگا۔ کسی دلکو ایکدن بھی بیکار نہ پڑا رہنے دوں گا۔ سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُسنے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر سفر کا دعویٰ ہے کہ میں فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتبخانوں کی کوٹھریوں میں سے نکالکر جلسوں اور چاء و قہوہ پینے والوں کی مجلسوں تک پھیلا دوں گا اور ہر ایک دل پر تہذیب شائستگی اخلاق علم اور روحانی نیکیوں کی روشنی کا اثر ڈالوں گا۔ کاہل شخص کو مستعد و محنتی بنا دوں گا۔ بزدل کو بہادر سپاہیوں کی صفوں میں نمایاں طور پر کھڑے رہنے کی قوت دوں گا، تجارت، صناعت، حرفت، زراعت کے طریقوں کو رواج دیکر ترقی اور کامیابی کے ذرائع بتا دوں گا۔ امرا و متمول لوگوں کو غربا کی اعانت اور صلاح حال کی توفیق دوں گا۔ غربا کو متمول بنا دوں گا ہمدردی، پاکیزگیِ خیال، تہذیب، شائستگی، خاص خاص باتیں خصوصیت کے ساتھ مجھ سے وابستہ ہیں جو اپنے پیروؤں کو دوں گا۔ ہر ملت و مذہب کے پابند کو اُن کی منزل مقصود تک پہونچا کر فیضِ زیاراتِ ہادیانِ دین و مذاہب سے کامیاب کروں گا۔ تعصباتِ مذہبی کو زائل کر دینے میں ہر موحد کی پوری مدد کرون گا۔"

میں جہانتک اپنے خیالات کی وسعت سے کام لیتا ہوں دُنیا میں کسی شخص کو ان دعوؤں کی تردید کرنیوالا نہیں پاتا۔ بیشک سفر ایسا ہی مبارک درخت ہے جسکی

شاخوں میں دین و دُنیا کی کامیابی کے میوے لائے ہوئے ہیں۔ یہی وہ دریا ہے جسکی تھا میں سویلزیشن، تہذیب، شائستگی، علم، اخلاق، پاکیزگیٔ خیال، معاشرت، تمدّن، صحّت اور عافیت کے کروروں چمکدار موتی پڑے ہیں۔ یہ موتی کسی کو نہیں ملتے مگر سفر کرنیوالے کو ملتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد میں اپنے محدود اور بہت ہی قلیل سفر کے واقعات کو پبلک میں پیش کرتا ہوں جن سے اہل بصیرت اپنی معلومات کو بہت کچھ ترقی دے سکتے ہیں۔ اگرچہ میرا یہ سفر بالکل پرائیوٹ اور سرعت کا سفر تھا لیکن اِس قلیل المسافت سفر میں بھی جو جو واقعات پیش آئے اُن سب کو قلمبند کرکے صفحۂ روزگار پر یادگار چھوڑتا ہوں۔ مجھے اِس سفر اور سفرنامہ کی ترتیب میں "سیر و تفریح" لالہ شادی رام سے نیز خواجہ صاحب کے حالات میں اخبار توحید سے بہت مدد ملی۔ دونوں کا شکریہ۔

شاد عفی عنہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ

اسبابِ سفر اگرچہ ایک بار پہلے میں خواجہ صاحب کے روضہ کی زیارت حاصل کرچکا تھا لیکن مدّت سے آرزو تھی کہ حضرت خواجۂ خواجگان ولیُ الہند شاد نواز کے عُرسِ شریف میں شریک ہوکر سعادتِ دارین حاصل کروں اور عُرس کی نیرنگیوں کا تماشہ اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو دکھاؤں جو بوقلموں حیرت افزا وحدت کی شان اِس کثرت میں نظر آتی ہے لیکن کثرتِ کار و ہجومِ افکار سے موقع نہ ملا اِس سال اُدھر سے کشش اِدھر سے کوشش ہوئی ۲۹ جُمادی الاُخری ۱۳۳۱ھ مطابق یکم امرداد ۱۳۲۲ف کو سفر کی تیاری کردی۔

روانگی ۶۔جون ۱۹۱۳ع مطابق ۳۰۔جُمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ روز جمعہ کو شام کی ٹرین میں مع اپنے چند مصاحبین راجہ چندر پرشاد۔ مرزا احمد بیگ اور دو ڈرسیر۔ چند خدمتی کے سب کو خدا حافظ کہکر روانہ ہوا۔ اگرچہ میرا خیال تھا کہ مع اہل وعیال حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوں

لیکن برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عمرہ کی علالت کا سلسلہ باقی تھا۔ اس لیے یہ قصد ملتوی رہا۔

اجمیر شریف ۹۔جون ۱۹۱۳ء مطابق ۴۔امرداد ۱۳۲۲ف روز صبح کے ۹ بجے گاڑی اجمیر شریف کے اسٹیشن پر پہونچی۔ سیّد محمد حنیف صاحب نے (جو بارگاہ خواجہ صاحب مین میرے وکیل ہیں اور جو اسٹیشن پر موجود تھے) مجھ سے ملاقات کی اور میں مع اپنے مصاحبوں اور ملازموں کے سیٹھ بردھمل کی کوٹھی میں (جو پہلے سے کرایہ پر لی گئی تھی) داخل ہوا۔

ف۲ گیارہ بجے چاشت سے فراغت پاکر عادتہً قیلولہ کیا ۳ بجے عبدالکریم صاحب تحصیلدار کو جو انتظام کے لئے بلدہ سے بھیجے گئے تھے بلوا کر ضروری ہدایتی احکام جاری کیے۔

ف۳ ساڑھے ۴ بجے میں مع اسٹاف جن میں راجچند پرشاد صاحب و مرزا احمد بیگ صاحب و عبدالکریم صاحب تحصیلدار و فرزند وکیل صاحب تھے درگاہ شریف کو گیا۔ اللہ اللہ کیا دربار ہے کیا جلالت ہے۔ شاہوں کے شاہ کی بارگاہ عرش پائیگاہ ہے۔ روضۂ اقدس نمونۂ جنّت ہے جو آتا ہے سنگِ آستاں پر سر جھکاتا ہے۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہر قوم و ہر ملّت کے لوگ نزدیک و دور سے آتے ہیں اور منھ مانگی مراد پاتے ہیں۔

راجپوتانہ کے تمام ہندو راجہ مہاراجہ اور مرہٹہ سردار مسلمانوں سے زیادہ اِس درگاہ عالی کی وقعت کرتے رہے اور اب تک نہایت ادب و تعظیم سے حاضر ہوتے ہیں۔

خواجہ صاحب کے سوانحِ عمری

(۷۷۲) برس کا زمانہ گذرا جب حضرت خواجہ صاحب ولی الہند نے عاشورِ محرم ۵۶۱ھ ہجری کو راجپوتانہ کی ظلماتی سرزمین میں اپنے آفتابِ جلال کی روشنی پھیلائی اور اپنی جلالتِ شان کا وہ جھنڈا نصب فرمایا جس کا پھریرا قیامت تک اُڑتا رہیگا۔ حضرت کی ولادتِ باسعادت ۵۳۶ھ ہجری میں بمقام سیستان ہوئی۔ آپ ابتدا ہی سے دُنیا کے واسطے باعثِ امن و راحت تھے۔ چنانچہ جس زمانہ میں حضرت کی ولادت ہوئی اسلامی دُنیا پر تیرہ و تار گھٹا چھائی ہوئی تھی مسلمانوں کی تباہی و بربادی عبرتناک تھی ہندوستان میں غزنوی حکومت کے نشان جو محمود غزنوی کے حملوں کے بعد کہیں کہیں پنجاب وغیرہ میں باقی رہگئے تھے مظلوم ہندوؤں کی متفقہ کوشش سے مٹائے جارہے تھے۔ خراسان اور سیستان وغیرہ میں چنگیزی مغلوں کا سیلاب آیا ہوا تھا جو چُن چُن کر عالم، فاضل، عابد، زاہد، اور برگزیدہ لوگوں کو آبِ شمشیر کی طوفانی موجوں میں بہالے گیا۔ بعض مقامات پر تو بادِ مخالف نے شہر کے شہر بے چراغ کر دیئے تھے چنانچہ نیشاپور میں مقابل والوں نے جو مظالم توڑے اُنکا ذکر تاریخ میں پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ادھر بغداد کی عباسیہ خلافت کی بنیادیں اس چنگیزی بھونچال نے ہلا ڈالی تھیں اگرچہ پہلے ہی خلافت عباسیہ نے ساداتِ بنی ہاشم سے دُنیا کی سرزمین کو خالی کر دینے میں کچھ کم کوششیں نہیں کی تھیں۔ ہزاروں سادات بے قصور بغداد کی دیواروں میں چنوائے گئے اگر اُنکی سفّاکانہ

حکومت اور ظالمانہ سلطنت میں ظلم و ستم کی کچھ کمی رہ گئی تھی تو چنگیزیوں نے اس کو پورا کردیا۔ خلافت عباسیہ پر فتح پانے کے بعد لاکھوں سادات و مشائخ اور علما کا بیدریغ خون بہا دیا گیا تھا ایسی دارو گیر اور مصیبت و آلام کے زمانے میں حضرت خواجہ کی ولادت تمام دُنیا کے واسطے امن و راحت کی بشارت ثابت ہوئی پہلا اثر آپ کے وجود کی برکت کا یہ ہوا کہ چنگیزیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عباسی خلافت کی جگہ دوسرے غیور و صاحبِ انصاف و رحم دل حکمراں ہوئے۔ غزنویوں کا بدلہ غوریوں نے ہندوستان سے یہ لیا کہ ہمیشہ کے لیے اُسکو فتح کر لیا۔ القصہ حضرت خواجہ کی پیدائش کے بعد آپ کے والد خواجہ غیاث الدین حسن سیستان سے آپکو لیکر خراسان میں آئے۔ جب آپکی عمر پندرہ برس کی ہوئی۔ تو ۵۵۱ھ ہجری میں آپکے والد نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ورثہ میں آپکو ایک باغ اور ایک چکّی ملی تھی۔ حضرت خواجہ نہایت صبر و قناعت کے ساتھ باغ کے درختوں کو پانی کا فیض پہونچاتے اور خاموشی سے زندگی بسر کرتے تھے جس قصبے میں حضرت کا باغ تھا اُس میں حضرت ابراہیم قندوزی نامی ایک مشہور مجذوب بزرگ رہتے تھے۔ ایک دن خواجہ باغ میں پانی دے رہے تھے کہ مجذوب ٹہلتے ہوئے باغ میں تشریف لائے۔ خواجہ نہایت ادب سے دوڑے اور بزرگ مجذوب کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے لاکر بٹھایا۔ پھر جلدی سے تازہ تازہ انگوروں کے خوشے لاکر سامنے رکھے اور گردن جُھکا کر ادب سے دو زانو بیٹھے حضرت ابراہیم قندوزی خواجہ کے اِس اخلاق سے بہت خوش ہوئے اور اپنی بغل میں سے کوئی چیز نکال کر دانتوں سے چبائی اور ہاتھ بڑھا کر خواجہ کے منھ میں ڈال دی اُسکا حلق سے اُترنا تھا کہ دوئی کے پردے

اُٹھ گئے وحدت کی منزل سامنے نظر آنے لگی خواجہ پر عالم ہی اور طاری ہو گیا۔ باغ چکّی اور گھر کا اثاثہ کھڑے کھڑے بیچکر خدا کی راہ میں لٹا دیا اور سفر کے لئے چل نکلے پھر سمرقند و بخارا گئے وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر علوم تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ سے فراغت حاصل کی جب علوم ظاہری طے فرما چکے تو ارضِ مغرب کے شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے بزرگانِ ملّت کی زیارتوں اور مشائخِ طریقت کے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز ہوتے ہوئے موضع ہارون میں پہونچے۔ جو نیشاپور کے پاس ایک مشہور قصبہ تھا۔ وہاں حضرت شیخ عثمان ہارون کی دولت پائبوسی نصیب ہوئی۔ حضرت خواجہ پر شیخ کامل کا بڑا اثر ہوا اور فوراً شرفِ بیعت سے مشرف ہو گئے حضرت شیخ عثمان ہارون ساتویں واسطہ سے حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی کے مرید تھے اور حضرت کا سلسلہ نو واسطوں سے آنحضرت صلعم تک منتہی ہوتا ہے مگر اس خاندان کا نام چشتیہ حضرت خواجہ ابو اسحاق کے زمانے سے مشہور ہوا کیونکہ آپ کا قیام موضع چشت میں تھا جو خراسان کے اطراف میں ایک مشہور آبادی تھی۔ قصّہ مختصر حضرت خواجہ عثمان ہارون کے ہاتھ پر مُرید ہونیکے بعد چشتی کا لقب خواجہ صاحب کو بھی مل گیا۔

دسویں شوال ۵۶۱ھ ہجری میں اپنے مرشد کے فیوضات سے مالا مال ہو کر اور خرقۂ درویشی اور سندِ ولایت لیکر رخصت ہوئے۔ شہر شہر قصبے قصبے کی سیر کرتے اہل اللہ کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھاتے بغداد آئے بغداد سے روانہ ہو کر اصفہان پہونچے۔ وہاں اُن دنوں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ موجود تھے جنھوں نے حضرت خواجہ کے ہاتھ پر

بیعت کی اور حضرت خواجہ نے اپنی چادرِ خاص اِن کو مرحمت فرمائی۔ اصفہان سے روانہ ہوکر خرقان، استرآباد، ہرات، سبزوار، بلخ، غزنی، کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان کیجانب توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ سرحد کو عبور کرکے پہلے لاہور میں تشریف لائے اسکے بعد دہلی ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہونچے۔ جو ہندوستان کا سیاسی اور روحانی مرکز تھا اس کو آپ نے باطنی دارالخلافہ کے لئے منتخب فرمایا اور ۶۳۳ھ ہجری تک جو آپ کے وصال کا سنہ ہے مستقل طور سے آپ اجمیر شریف ہی میں مقیم رہے۔ درمیان میں دو سفر دہلی کے ضرور ہوئے مگر وہ عارضی تھے اور جنکا مقصد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملنا تھا۔ دہلی اُس زمانے میں اسلامی حکومت کا پایۂ تخت تھی اور حضرت خواجہ بختیار کاکی ارشاد باطنی کی غرض سے وہاں کے صاحب ولایت بنائے گئے تھے۔

خواجہ بزرگوار کی تشریف آوری کے وقت ۵۶۱ھ ہجری اجمیر میں راجہ پرتھی راج راٹھور کی عملداری تھی۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ۵۸۸ھ ہجری میں شمالی ہندوستان اور اجمیر شریف میں توحید کا پھریرا اُڑنے لگا۔ اور تشریف آوری سے تہتر سال تک ذات بابرکات سے ظاہری و باطنی فیض جاری رہا۔ ۶۔ رجب ۶۳۳ھ ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔ اُسوقت سے ابتک مزارِ مبارک مرجعِ خاص و عام چلا آتا ہے۔

ہندوستان میں سب سے پہلا مشہور اور بہادر بادشاہ سلطان محمود خلجی تھا جو اپنے دارالسلطنتہ مانڈو (مالوہ) سے اپنی جرأت اور بہادری کا امتحان دیکر شہنشاہ اجمیر کے

دربار میں حاضر ہوا۔ سلطان محمود خلجی نے اجمیر پر فتح پاکر خادمان و مستحقین درگاہ شریف کو مالا مال کردیا اور مزار شریف کے قریب مسجد جو اب صندل خانہ کے نام سے موسوم ہے اور بلند دروازہ وغیرہ چند عمارتیں تعمیر کرائیں اسکے بعد سلاطین مانڈو (مالوہ) برابر درگاہ کی عمارت میں اضافہ کرتے رہے۔ سلطان محمود خلجی اور اُسکے بیٹے غیاث الدین کو حضرت خواجہ بزرگوار کے مزار مبارک اور اولاد سے خاص عقیدت تھی۔ سلاطینِ مغلیہ میں سب سے اوّل جلال الدین محمد اکبر شاہنشاہ دہلی کو حضرت خواجہ سے عقیدت پیدا ہوئی۔ اِس شہنشاہ کے حالاتِ عقیدت اِس قدر مشہور ہیں کہ اس مضمون میں اُنکے بیان کی گنجائش نہیں۔ بیسیوں مرتبہ دربارِ عالی میں حاضر ہوئے۔ آگرہ سے اجمیر تک پیادہ پا سفر کیا۔ ہر منزل پر چاہ، محلات، باغات وغیرہ لگوائے۔ اجمیر شریف کو تھوڑی ہی مُدّت میں ایک عالیشان شہر بنا دیا۔ درگاہ شریف میں رفیع الشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ فتح چتّور کی یادگار میں دیگ کلاں چڑھائی۔ خدا کی قدرت دیکھئے جس دن یہ عقیدہ پیدا ہوا فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ عقیدت میں بھی زیادتی ہوتی گئی۔

اکبر کے بعد جہانگیر اور جہانگیر کے بعد عالمگیر اپنے اپنے عہد حکومت میں بخلوصِ ارادت حاضر ہوئے۔ روضۂ منورہ کے پاس سنگِ مرمر کی عالیشان و خوشنما جامع مسجد شاہجہاں کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ جو سب سے پہلی شاہجہانی تعمیر اور درگاہ شریف کی بہترین نورانی عمارت ہے۔ مگر جو عقیدت و ارادت مغلیہ خاندان میں جہاں آرا بیگم بنتِ کلاں شاہجہاں بادشاہ کو خواجہ بزرگوار سے تھی ایسی کسی کو نہ تھی۔

جب یہ شاہزادی اپنے باپ کے ہمراہ اس طرف آئی ہے اور چند روز تک لبِ تالاب اناساگر قیام رہا ہے اس عرصہ میں ادب و تعظیم کے خیال سے پلنگ پر نہیں سوئی نہ روضہ منورہ کی طرف پاؤں دراز کیئے نہ پشت کی۔ جب روضۂ منورہ میں حاضر ہو کر گنبد شریف میں داخل ہوئی تو سات مرتبہ مزار مبارک کا طواف کیا اپنی پلکوں سے جھاڑو دی مزار کی خاکِ پاک کو توتیائے چشم بنایا۔ مزارِ مبارک نقرئی مجمر اور خوشنما بیگمی دالان شاہزادی جہاں آرا بیگم کے حُسنِ عقیدت کی یادگار ہے۔ درگاہ شریف کے جملہ خدام حافظ، خطیب، مولود خوان، فرّاش، باورچی وغیرہ سب شاہزادی جہاں آرا بیگم کے ملازمین کی اولاد میں ہیں۔ جو نسلاً بعد نسلٍ اُسی وقت سے اپنے کار خدمت پر مامور چلے آتے ہیں۔

حضرت خواجۂ خواجگان کی عمر ستّانوے برس کی ہوئی۔ خواجہ بزرگوار باعتبار نسب حسینی سید ہیں شجرہ یہ ہے۔

خواجہ معین الدین حسن بن مولانا غیاث الدین حسن بن سیّد احمد حسن سنجری بن سیّد حسین احمد بن نجم الدین طاہر بن خواجہ عبدالعزیز بن سیّد محمد بن حضرت امام علی نقی بن حضرت امام محمد تقی بن حضرت امام علی موسیٰ رضا بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفرِ صادق بن حضرت امام محمّد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت سیّد الشہدا امام حسین بن حضرت امیر المومنین وصی رسول رب العالمین علی بن ابی طالب علیہم السلام۔

اجمیر کی عام حالت

یہ شہر راجپوتانہ کا انگریزی ہیڈ کوارٹر ہے۔ ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کا اِسی جا قیام رہتا ہے۔ گو شہر بہت بڑا نہیں مگر بارونق ہے۔ شہر کے گرد فصیل ہے جسمیں پانچ دروازے ہیں۔ اِس شہر کو چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں نے احاطہ کر لیا ہے جسکی وجہ سے یہاں کی ہوا میں خوشگواری پیدا ہو گئی ہے۔ خواجہ کا مزار پہاڑ کے دامن میں نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ درگاہ سنگ مرمر کی ہے۔ مزار شریف کے چاروں طرف چاندی کا کٹھرہ ہے دروازوں پر آئینہ بندی کی گئی ہے۔ مزار شریف پر ہمارے حضور اعلیحضرت قدر قدرت فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک آصفجاہ سابع نواب میر عثمان علی خان بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی خلد اللہ ملکہٗ نظامِ دکن نے کارچوبی غلاف اور ایک کارچوبی شامیانہ بیش قیمت چڑھایا ہے اور دوسرا غلاف اور شامیانہ مشجّر بھی حضور ہی کا نذر گذرانا ہوا ہے درگاہ بازار سے درگاہ میں داخل ہونے کے لئے ایک صدر دروازہ عالیشان حضور اقدس و اعلیٰ کی طرف سے بنوایا جا رہا ہے۔ اِس درگاہ کے احاطہ میں دو مسجدیں نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہیں جنمیں بڑی مسجد جو سنگ مرمر کی ہے شاہجہاں بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اِسی درگاہ میں وہ بڑے بڑے نقّاروں کی جوڑی بھی رکھّی ہے جو فتح چتور کے بعد جنگِ فتح کی اکبر بادشاہ اُٹھا لایا تھا۔ دو دیگیں بھی بڑی بڑی یہاں ہیں جن میں سے ایک میں ۶۰ من اور دوسری میں ۱۲۰ من چاول پک سکتے ہیں۔ درگاہ سے کچھ فاصلے پر ایک بہت پُرانی عمارت اڑھائی دِن کے جھونپڑے کے نام سے مشہور ہے یہ ایک بڑا لمبا دالان ہے۔

جو سنگِ سُرخ کا بنا ہوا ہے۔ بہتّر ستونوں پر استادہ ہے۔ بیچ میں ایک جانماز اور منبر سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اُسکے ستون اور چھت میں بیمثل گلگاری کی ہوئی ہے،

پشکر۔ اجمیر سے ۷ میل کے فاصلے پر پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے۔ اجمیر سے پشکر جاتے وقت تانگہ یکہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر سے گذرتا ہے۔ اِن پہاڑوں کے پتھر دھوپ میں اسطرح چمکا کرتے ہیں جیسے شبِ تاریک میں آسمان پر تارے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پتھروں میں ابرک کا جُز زیادہ ہوتا ہے۔ راستے میں لنگور بھی بہت ہیں۔ یہاں ایک جھیل ہے جس کے چاروں طرف گھاٹ اور مندر بنے ہوئے ہیں جھیل کے بیچ میں ایک چھوٹی سی مڑھی ہے جس کو برھما کی جگی کہتے ہیں یعنی یہاں برھما نے جگ کیا تھا۔ یہاں برہما کا ایک مندر بھی ہے جس میں برہما کی چوکھی مورتی اور اُس کے چاروں لڑکوں کی مورتیں بھی بنی ہوئی ہیں اسکے سوا تمام ہندوستان میں برہما کا مندر اور کہیں نہیں ہے۔ اِس جھیل میں پانی بے انتہا ہے۔ مگرمچھ اور کچھوے وغیرہ پانی کے تمام جانور بہت ہیں جو آدمیوں پر بھی چوٹ کرتے ہیں۔ ہندو اِس جھیل کو پرتھوی کا نیتر (زمیں کی آنکھ) کہتے ہیں اور بہت متبرک سمجھتے ہیں۔ اور تیرتھوں کیطرح یہاں بھی ۳۰۰ پنڈے ہیں۔ پشکر کے علاوہ یہاں ایک بڑی جھیل اور بھی ہے جو آناساگر کہلاتی ہے۔ ہر کاتک کے مہینے میں بڑا میلا ہوتا ہے اس میلہ میں اونٹ گھوڑے ہاتھی دور دور سے فروخت کے لئے آتے ہیں دولت باغ میں چیف کمشنر صاحب کی کوٹھی ہے اور اُسکے سامنے ریلوے کا بڑا دفتر ہے یہاں سے ایک میل پر میو کالج ہے جس میں تمام راجپوتانہ کے راجکنور پڑھتے ہیں۔ اسٹیشن کے

قریب ہی ریل کا بڑا بھاری ورکشاب دیکھنے کے قابل ہے۔

الغرض خواجہ بزرگوار کی زیارت سے مشرف ہوکر احاطۂ بارگاہ کے اندر جس قدر مزارات تھے اُنکی زیارت سے فراغت حاصل کر کے کچھ دیر حضرت عثمانؓ فاروق قدس سرہٗ کی پائیں سطح میں بیٹھا اور جلالتِ روضۂ منورہ پر ایک گھری آرزومندانہ نظر ڈالی دلکو آستانۂ مبارک کی طرف رجوع کیا اللہ اللہ نازونیاز کے جلوؤں نے اسقدر محوِ حیرت کر دیا کہ دلکی ایک بھی تمنا حرفِ مُدّعا بنکر زبان تک نہ آئی ارنی کہنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ خدا جانے میں کہاں تھا۔ روضہ کس کا قبر کسکی ؎

اُسے کون دیکھ سکتا جو یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

مجھپر اُسوقت ایک بیخودی طاری تھی اسی بیخودی کے عالم میں بیساختہ میری زبان پر یہ مطلع آیا۔

کیسی کثرت میں تری وحدت کا چرچا ہوگیا ۔۔۔ راز کس پردہ کا تھا اور کیسا افشا ہوگیا

اَب میں نے اپنی طبیعت پر کسی قدر زور ڈالا تو ایک اور مطلع ذہن میں آیا۔

عالمِ ذرّات کا عالم تماشا ہوگیا
ایک کُن سے کیا ہوا اور کیا سے کیا کیا ہوگیا

اَب تو طبیعت آمادہ ہوگئی کہ اِس میں کچھ اور اشعار بڑھائے جائیں۔

آئے وہ بہرِ عیادت مژدہ بادا ے زندگی ۔۔۔ کچھ دنوں دُنیا میں رہنے کا بہانا ہوگیا

وائے ناکامیِ نظارہ جب آئے وہ یہاں　　جلوۂ عارض سے میں غش مثلِ موسیٰ ہوگیا

جانتے ہیں اپنا اپنا زاہد و راہب تجھے　　کیا تراہر مذہب وملّت میں چرچا ہوگیا

بلبے جوشِ گریۂ بیچارگیِ شوقِ دید　　ایک قطرہ پھیل کر زخسار دریا ہوگیا

دیکھتے تھے تجھکو جب چشمِ تمنا بند تھی　　دیدۂ و دانستہ آنکھیں کھُل کے پردا ہوگیا

اہلِ عرفاں دور سے آآکے کرتے ہیں طواف　　آستانِ بے مثالِ دوست کعبا ہوگیا

اَب میں بارگاہِ عالی سے شب کے آٹھ بجے مکان کو یہ کہکر واپس ہوا کہ الٰہی نیکازا بوسیلۂ نیکی سرفرازی بخش وبداں را بمقتضائے کرم دلنوازی کن۔

حوائج ضروری سے فرصت پاکر ۱۱½ بجے شب کو مع اپنے مذکورہ مصاحبوں کے پھر درگاہ کو گیا۔ اِسوقت کا سماں کچھ اور ہی رنگ اپنا دکھا رہا تھا۔

آستانِ جلال پر پیشانی رکھکر سعادت کے چہرے کو روشن کیا اور زیارت سے مشرف ہوکر محفل کے مکان میں جا کر بیٹھا۔ وہاں دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ سماع خانہ سرآسمانجاہ مرحوم کا بنوایا ہوا ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ آسمان جاہ جو ہماری ریاست ابدمدّت کے سربرآوردہ اُمراؤں سے تھے۔ خدا بخشے نہایت خوبیوں کے نیک دل اور خوش عقیدت امیر تھے اِس قسم کے بیسیوں خیراتی کام اُنھوں نے دُنیا میں کیئے اور آخرت کے لیئے ساتھ توشہ لے گئے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

½۱ بجے میں وہاں سے برخاست کرکے پھر درگاہ شریف میں حاضر ہوا اور رہ

غسل کا وقت تھا۔ بیرونی جالی کے قریب بیٹھکر اِس سکوت اور سنّاٹے کے عالم میں جو اکثر دو پہر شب کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اسکے جلوے کو دیکھا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خوابگاہ میں نوشاہ آرام میں ہے۔ اور ربراتی اُس کے جگانے کے لیے جارہے ہیں مگر چشم بصیرت بیں کہتی تھی کہ خواجہ اُن لوگوں میں نہیں جو دُنیا کو عالم بیداری سمجھیں بلکہ وہ اِس عالمِ خواب میں بھی عالمِ بیداری کے جلوہ افروز ہیں صرف برائے نام خواجہ ہیں ورنہ جسکا مظہر خواجہ صاحب کہلاتے تھے اور اب جس دریا میں فنا فی الذات ہو کر بقاے نام کے جلوے دکھا رہے ہیں اُسکو خواب کہاں، اتنے میں رنگیلے شاہ نام ایک صاحب آئے گفتگو سے معلوم ہوا کہ مولٰنا حضرت فضلِ رحماں علیہ الرحمہ مرادآبادی کے دیکھنے والوں میں سے ہیں درحقیقت طبیعت کے چُلبلے اور رنگیلے ہیں اُنھوں نے مجھ سے میں نے اُن سے ملاقات کی۔ قریب ۱/۲-۲ بجے شب کے دروازہ کھُلا دیوان صاحب مع خدام باہر آئے اور قریب تین بجے شب کے میں مع مصاحبین کوٹھی کو واپس ہوا۔

۱۰-جون ۱۹۱۳ء م ۵-امرداد ۱۳۲۲ف

حوائجِ ضروری سے فراغت پاکر ۸ بجے درگاہ شریف کو جانے کے لیے تیار ہوا کہ بصرہ والے سیّد محمد صاحب آ گئے اُن سے ملاقات کی۔ اُنھوں نے ایک کشتی تبرک کی جس میں ایک کہربا کی تسبیح اور ایک شیشی عطر اور تازہ کھجوریں تھیں پیش کی ۵ منٹ اُن سے بات چیت کرکے مع مصاحبین درگاہ شریف کو گیا۔ زیارت سے مشرف ہو کر دیگ کو (جس کا سامان پہلے سے کیا گیا تھا) لٹتے ہوئے دیکھنے کے بعد مکان کو واپس ہوا اور رسالک مسالکِ طریقت،

ناہجِ مناہجِ معرفت، حضرت خواجہ حسنِ نظامی دہلوی سے شرفِ نیاز حاصل کیا جو تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب سے ولی کے دربار میں نیاز حاصل کیا تھا جب سے حضرت اپنے خادم شاد ناشاد کے حال پر نوازش فرماتے ہیں۔ اگرچہ حضرت محبوب الٰہی کے ہمشیرہ زادے ہونیکا فخر رکھتے ہیں لیکن نسب فروش نہیں ہیں بلکہ ذاتی خوبیوں سے آراستہ اور رفقر وفخر کے لباس سے پیراستہ ہیں۔ چشم گریاں و دلِ بریاں رکھتے ہیں۔ باخبر صوفی۔ عارف و نہایت وجیہہ مشین۔ زندہ دل اور خوش مذاق ہیں۔ درویشی میں دلپذیر اثر کے ساتھ قلم میں بھی جادو ہے جس کو تمام دنیا جانتی ہے۔ اخبارِ توحید میرٹھ کے آنریری چیف اڈیٹر اور سرپرست بھی ہیں۔ جادو نگاری و شیوا بیانی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ حضرت کی روانگی کے بعد کالے شاہ سے ملا۔ یہ صاحب حضرت شاہ خاموش صاحب کے ارادتمندوں سے ہیں۔ جنکا شہر خموشاں بسایا ہوا دکن میں ہے۔ چونکہ حضرت شاہ خاموش صاحب کے ساتھ آسمانجاہ مرحوم کی دلی عقیدت تھی اس لیے آسمانجاہ مرحوم نے درویش کالے شاہ کو اپنی طرف سے سماع خانہ درگاہِ خواجہ کا منتظم بنایا تھا۔ ابتک اسی خدمت پر مامور ہیں۔ اسکے بعد رنگیلے شاہ صاحب آئے اُن سے ملا۔ ۱۱ بجے برخاست کرکے رامچندر پرشاد کو کالے شاہ کے ساتھ جاکر سیٹھ مولچند کی کوٹھی دیکھنے کے لیے حکم دیا۔ آج چودھری نصرت علی صاحب سے ملاقات ہوئی جو اودھ کے عمائدین سے ہیں۔ نہایت ذی علم با اخلاق اور متین آدمی ہیں۔ دیر تک اُن سے لطفِ صحبت رہا۔ قریب ۳ بجے کے حافظ ہدایت اللہ صاحب چشتی آئے یہ دیوانجی صاحب کے عقیدت مندوں سے ہیں اور مجھ سے بھی محبت

رکھتے ہیں نہایت نیک طینت آدمی ہیں اِن سے ملاقات کرکے مع مصاحبین گاڑی میں سوار ہو کر دیوان صاحب کے مکان پر گیا اُنھوں نے نہایت گرمجوشی اور مہربانی کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی۔ رخصت ہونیکے وقت ایک دستار میرے سر پر باندھی اور ایک شمشیر مع پرتلے کے عنایت کی جو میری کمر کی قوت اور زینت کا سبب ہوئی اور ایک کشتی بچوں کے خلعت کے ساتھ کی جو ہمیشہ کا معمول ہے قریب ۱/۲ ۴ بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔ شام کے وقت درگاہِ شریف کے نقارچی و روشن چوکی والے سلام کو آئے اِن کو انعام وغیرہ دے دلا کر واپس گیا۔

۱۱۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۶۔ امرداد ۱۳۲۲ ف

آج میں ۹ بجے حضرت پیر جی سیدی ابراہیم صاحب بغدادی کی ملاقات کو گیا اور ۱۲ بجے واپس آیا۔ یہ بزرگ زادے حضرت پیر مصطفےٰ صاحب بغدادی قادری مرحوم کے نوجوان صاحبزادے ہیں۔ اور بڑے باخبر اور صاحب نظر ہیں۔ آپ کے والد بزرگ عرب اور ہند میں آفتاب آسمانِ ولایت مانے جاتے تھے کہا یہ جاتا ہے کہ اُن کے والد کے عرب اور ہندوستان میں تقریباً دو لاکھ مریدوں کی تعداد ہے۔ میں شام تک پھر کہیں نہیں گیا۔

۱۲۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۷۔ امرداد ۱۳۲۲ ف

آج میں ۱/۲ ۷ بجے صبح کے مع مصاحبین خواجہ حسن نظامی صاحب کی ملاقات کے لئے اُن کے مکان پر گیا اور ۱۰ بجے واپس ہوا آدھا گھنٹہ دم لیکر ۱/۲ ۱۰ بجے درگاہ شریف کو گیا۔ محفل کے مکان میں متولی صاحب و دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی ۲ بجے ختم پڑھا گیا۔ ۴ بجے برخاست

کرکے درگاہ شریف کی زیارت کرکے کوٹھی کو واپس ہوا۔ اور اپنے سکرٹری اسٹیٹ کو حیدرآباد میں بذریعۂ تار حکم دیا کہ میرے محلات کو مع ضروری سامان کے لیکر فوراً بمبئی آجاؤ۔ ۶ بجے شام کو دیوان صاحب مع حافظ ہدایت اللہ صاحب میری ملاقات کو آئے۔ ایک کشتی تبرّک کی مجھے دی اور ایک دستار اپنے ہاتھ سے میرے سر پر باندھی۔ میرے ایما پر راجہ چندر پرشاد نے پھول پان کے ساتھ اڑھائی سو روپیہ دیوان صاحب کو نذر گذرانے وہاں سے میں اور دیوان صاحب ایک گاڑی میں سوار ہوکر اسلامیہ اسکول میں جو تعمیر ہو رہا ہے آئے۔ دوسری گاڑی میں میرے مصاحبین تھے۔ ایکہزار روپیہ میں نے چندہ دیا۔

۱۴۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۹۔ امرداد ۱۳۲۲ف

آج میں ساڑھے نو بجے شب کے اجمیر شریف سے مع اپنے چند مصاحبوں اور خدمتیوں کے بمبئی کو روانہ ہوا۔ باقی اسٹاف کو میں اجمیر ہی میں چھوڑ گیا۔ راستے میں معمولی واقعات کے سوا کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قابل اندراج روزنامچہ ہذا ہوتا۔

۱۵۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۱۰۔ امرداد ۱۳۲۲ف

۹½ بجے صبح کے میں بمبئی کے چرچ گیٹ اسٹیشن پر پہونچا اور سیدھا کشمیری ہوٹل میں چلا گیا۔ اسکی حالت متوسط درجہ میں ہے۔ اس کے منیجر لالہ ٹیک چند کھتری نہایت با اخلاق اور سنجیدہ اور مہذب آدمی ہیں اس میں مقیم ہونے والے کے ہر قسم کی آسائش و راحت کو وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چاشت سے فراغت پاکر ۱۲ بجے دن کے تاج محل ہوٹل میں گیا۔ یہ ہوٹل اپالو بندر پر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ عمارت کے اعتبار سے یہ ہوٹل درحقیقت

بمبئی کی عمارتوں کا سرتاج ہے۔روکار اس کا اس قدر خوشنما ہے کہ ناظرین کی نظر کو اپنی طرف کھینچکر گھنٹوں نہیں چھوڑتا فرنیچر اسباب آسائش اسکا اعلیٰ درجہ کا ہے۔میں اس ہوٹل کی چوتھی منزل پر ایک کمرہ میں مقیم ہوا لیکن شب کو میں اپنے سیلون میں چلا گیا محلات کے مقام کے لیئے مسٹر فدوانی کے ذریعہ سے ملابارہل میں ایک کوٹھی کا انتظام کیا گیا تھا۔ محلات کو اُسی کوٹھی میں اُتروادیا گیا۔زنانہ اسٹاف میں میرے دونوں داماد یعنی لالہ تاراچند معروف بڑے دولھا راجہ۔اور لالہ اقبال چند معروف چھوٹے دولھا راجہ بھی تھے (محمد معصوم علی صاحب) اپنے سکرٹری سے شہر کے حالات دریافت کیئے اور ضروری کاغذات دستخط کر کے آرام کیا۔

بمبئی کی عام حالت پر ایک اجمالی نظر

اگرچہ کلکتہ باعتبار آبادی وسعت وتجارت وتہذیب اور ہندوستان کا دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے بڑا ہو لیکن اگر بمبئی کی عام حالت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں کے باشندوں کی عام خوبصورتی عورتوں کی عشوہ کاری وحسن فروشی اور آزادانہ سادگی سمندر کے نظارے موسم کا اعتدال تجارت کی گرم بازاری ہر دیکھنے والے کو اس مصرعہ کے پڑھنے پر مجبور کر دیگی کہ۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یوروپین سیاح اس بمبئی کو ہندوستان کی آنکھ کہتے ہیں۔اُن کا قول ہے کہ ایشیا

میں دوسرا شہر اس کے مقابل کا نہیں۔

اس شہر میں بارہ اسٹیشن ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ بائی کلا، گرانٹ روڈ، چرنی روڈ، میرن لائیں، چرچ گیٹ اسٹریٹ، مہالکشمی، پیرل، الفنسٹن روڈ، داور، وکٹوریہ ٹرمنس، اور قلابہ وغیرہ۔

یہاں پر ٹھہرنے کے لئے علاوہ ہوٹلوں کے کئی بڑے بڑے دھرم شالہ بنے ہوئے ہیں جن میں سے ایک جو حال ہی میں بنا ہے ہیرا باغ کہلاتا ہے۔ یہ سیٹھ مانک چندجی نے اپنے والد سیٹھ ہیرا چندجی مرحوم کی یادگار میں سوالاکھ روپیہ لگا کر بنوایا ہے۔ گو سیٹھ صاحب جینی ہیں مگر اُنھوں نے تعصب کو بالائے طاق رکھکر ہر مذہب کے ہندو کو ایک ہفتہ تک ٹھہرنے کی عام اجازت دے رکھی ہے۔ اسکے قریب ہی ایک ہندوؤں کا بھی بڑا دھرم شالہ ہے جسے مادھو باغ کہتے ہیں۔ اِن دھرم شالاؤں میں ٹھہرنے کے لئے چرنی روڈ کے اسٹیشن پر اُترنا چاہیئے۔

اس شہر کے سب بازار بہت لمبے اور دلّی کے چاندنی چوک کی طرح کشادہ ہیں دونوں جانب بڑے اونچے اونچے محل نما عالیشان مکان آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جن میں زیادہ کام پتھر کا ہے۔ سڑکوں پر ٹریمویے کی دوہری لائنیں ہیں۔ جن کے آس پاس گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے پکی سڑکین بنی ہوئی ہیں۔ بازاروں میں ہر وقت وہ بھیڑ بھاڑ رہتی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک طرف سے ہوا کیطرح ٹریموے دوڑی جاتی ہے دوسری طرف سے موٹر کار زمیں کی طنابیں کھینچتی آتی ہے۔

تیسری طرف گاڑی والا بچو بچو کی صدا لگا رہا ہے۔ چوتھی طرف بائیسکل والا ٹن ٹن کی خوشنما آواز سُنا رہا ہے۔ اسپر بھی راہگیروں کی وہ ریل پیل ہے کہ شانے سے شانہ چھلتا ہے۔ اوپر کی طرف جب نظر اُٹھتی ہے تو تاروں کے جال تنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ تار کچھ ٹرموے کے کچھ بجلی کی روشنی کے کچھ بجلی کے پنکھوں کے کچھ ٹیلگراف اور ٹیلیفوں کے ہوتے ہیں۔ دوکانیں قسم قسم کے سامان سے بھری پڑی ہیں۔ شہر کیا ہے انسانی زندگی کا میگزین ہے جس طرف نکل جاؤ یکساں بازار یکساں دوکانیں یکساں مکانات، دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ جس طرف جائیے جدھر نظر کیجئے ایک سے ایک حسین عورت گورے گورے بازو اور پیٹ کھولے سینہ اُبھارے ریشمی بیلدار ساری سے زینت کئے پھر رہی ہے۔ ؎

مزہ کی چیز ہے یہ مجمعِ حشر
حسیں کیا کیا گذرتے ہیں نظر سے

عموماً ہر بازار ہر دوکان اور ہر مکان میں بجلی کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے دفاتر میں بھی بجلی ہی سے پنکھے عہدہ داروں کی ہواداری کا دم بھر رہے ہیں۔ یہاں ہر ایک صیغہ کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔

بمبئی کے تین طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہے۔ شہر کی صورت مدوّر ہے۔ انسان جہاں سے چلے آخرکار اُسی مرکز پر آجاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ یہاں بھی دوکاندار اکثر ایک ہی قیمت بولتے ہیں۔ یوں تو یہاں ہر قوم و ہر ملک اور ہر ملّت کے باشندے دیکھنے میں آتے ہیں مگر زیادہ آبادی گجراتی، مرہٹی، مارواڑی،

پارسی، میمن، اور بوہروں کی ہے۔ گجراتی زبان زیادہ بولی جاتی ہے۔

اِس شہر میں بہت بڑے بڑے تالاب اور ہر مذہب کے مندر ہیں۔ سمندر کے کنارے کنارے پکّی سڑک بنی ہوئی ہے۔ لوگوں کے بیٹھنے کے لئے بنچیں پڑی ہوئی ہیں۔ رات کو بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ اور ہر روز شام کے وقت میلا لگا رہتا ہے ہزاروں آدمی سمندر کو آتے ہیں۔ گاڑی موٹر کار ایک پر ایک چڑھی جاتی ہے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک کسی کا وقت بیکار نہیں جاتا ہر ایک اپنے اپنے کام میں مصروف اور مشغول پایا جاتا ہے۔ پارسی لوگ سمندر کے عین کنارے کھڑے ہو کر دُعا مانگتے ہیں۔ کوئی کمر سے رسّی کھولکر اسے مالا کی طرح جپتا ہے۔ کوئی سمندر کے پانی کو آنکھوں سے چھوا کر کچھ پڑھتا ہے۔ کوئی گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرتا ہے۔ غرض سمندر کے کنارے ہر روز خوب چہل پہل رہتی ہے۔

سمندر کے کنارے کئی بندر بنے ہوئے ہیں جو گودی کھلاتے ہیں۔ ان پر سواری اور مال کے جہاز آکر ٹھہرتے ہیں۔ اِن کے نام یہ ہیں۔ اپالو بندر۔ بوری بندر بیلٹ پاٹر۔ اور پرنسز ڈاک وغیرہ ہیں۔ پرنسز ڈاک سب سے بڑا بندر ہے۔ اسکا میلوں تک پکا پلیٹ فارم بنا ہوا ہے۔ سیکڑوں جہاز ہر وقت یہاں کھڑے رہتے ہیں۔ لاکھوں کا مال اُترتا چڑھتا ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لاکھوں آدمی یہاں رہتے اور کام کرتے ہیں گویا یہ بجائے خود ایک شہر بسا ہوا ہے۔ ایک سرکاری گودی ہے جسمیں لڑائی کے جہاز رہتے ہیں یہاں بھی ہزاروں آدمی روز کام کرتے ہیں۔ اپالو بندر میں

سواریاں اُترتی چڑھتی ہیں اسکے سامنے ہی تاج محل ہوٹل کی شاندار عمارت ہے جو ۷ منزل اونچا اور ہندوستان کے تمام ہوٹلوں سے بڑا اور خوشنما ہے۔ اسکا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔

"بالکیشر" یہ چوپاٹی سے اس طرف سمندر کے کنارے ایک بستی کا نام ہے۔ یہاں ایک تالاب جو بال گنگا کہلاتا ہے بنا ہوا ہے اور اسکے پاس ہی بالکیشر مہادیو کا مندر ہے اسکے تھوڑے فاصلہ پر ایک چھوٹی پہاڑی ہے جسے مالا بار ہل کہتے ہیں چونکہ مقام اونچا ٹھنڈا سرسبز اور سمندر کے کنارے ہے اس لئے صاحب لوگوں کی کوٹھیاں زیادہ تر اسی جگہ بنی ہوئی ہیں۔ گورنر بمبئی بھی اسی جگہ رہتے ہیں۔ یہاں ایک تالاب ہے جس کے اوپر چھت ڈال کر چھت کے اوپر باغ لگا ہے۔ اِس شہر میں کمپنی باغ بہت سرسبز اور شاداب ہے اس میں قسم قسم کے پودے اور درخت ہیں۔ چڑیا خانہ اور عجائب گھر بھی اسی میں ہے۔ یوں تو اس صوبہ میں کپڑا بننے کی ہزاروں کلیں ہیں مگر ریشم کی مل جو خاص بمبئی شہر میں ہے قابل دید ہے۔ یہ بہت بڑی مل ہے اس میں ریشم کی ساریاں دوپٹے رومال اور ریشمی تھان تیار ہوتے ہیں۔ اور قریبًا ایک ہزار آدمی روزانہ کام کرتے ہیں۔

فورٹ یعنی قلعہ میں بڑے بڑے سوداگروں کی کوٹھیاں بنک اور کارخانے ہیں چیف کورٹ بھی یہیں ہے۔ قلعہ کی دیواریں مسمار ہوگئی ہیں۔ اب یہ سڑک ہی قلعہ کہلاتی ہے۔ یہ سڑک بڑی دور تک یعنی قُلابہ تک چلی گئی ہے اسکے دونوں طرف

بڑی بڑی عالیشان عمارتیں ہیں۔ سڑک پر اسفلٹ کا چھڑکاؤ ہوتا ہے جو تارکول کی قسم ہوتی ہے اس سے مہینے بھر تک تو گرد دبی رہتی ہے۔ مگر جب تازہ چھڑکی گئی ہو تو چلنے والوں کے کپڑے چھینٹ لگ لگ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ اس کا چھڑکاؤ مہینے میں ایکبار ہوتا ہے۔

اخبار ٹائمس آف انڈیا جو ہندوستان میں سب سے بڑا اخبار سمجھا جاتا ہے اُس کا دفتر بھی یہیں ہے اس میں روزانہ سیکڑوں آدمی کام کرتے ہیں۔ قلعہ کے پاس ہی ایک دوسری سڑک پر ٹکسال ہے جسمیں ڈالر روپئے اکنی اور پیسے بڑی صفائی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بنتے اور تول پرکھا کر تیار ہوتے ہیں۔

ایلی فنٹا کے غاری مندر۔ بمبئی کی سب سے مشہور چیزوں میں سے ہیں یہ مندر سمندر کے کنارے ایک پہاڑ کھود کر بنائے گئے ہیں۔ بمبئی سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے کشتی یا اگن بوٹ میں بیٹھکر جانا پڑتا ہے۔

۱۶۔ جون سنہ ۱۹۱۳ء
م ۱۱ امرداد سنہ ۱۳۲۲ ف

آج میں تھیکر کمپنی کی شاپ میں گیا۔ اس شاپ کو اسٹیشنری سامان کا میگزین کہا جائے تو بیجا نہیں ہر قسم کا اسٹیشنری سامان اور کتب خانہ اس میں موجود ہے۔ وہاں سے واپس ہو کر مختلف مقامات کی سیر کرتا ہوا کوٹھی گیا۔ اور وہاں سے بارہ بجے شام کے پھر تاج محل ہوٹل میں چلا گیا وہاں کے دلچسپ مناظر سے مجھے ایک خاص دلچسپی تھی۔ اسکے سامنے سمندر ہے جسمیں نزدیک و دور جہازوں کا ایک مقام پر ایک سکوت اور بردباری کے ساتھ کھڑا ہونا دخانی کشتیوں کا اِدھر اُدھر اٹھلا اٹھلا کر چلنا اور سمندر کی موجوں کو اپنی مستانہ رفتار سے

متلاطم کرنا ایک خاص کیفیت کا نظارہ پیدا کرتا تھا۔ بعض احباب میری ملاقات کو آئے ہوئے تھے جن سے میں ملا۔ دو گھنٹے یہاں کے منظر سے لُطف حاصل کر کے ۹ بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔

حضور پر نور خلد اللہ ملکہٗ سال گذشتہ جس زمانہ میں بمبئی تشریف فرما ہوئے تھے اُس وقت میں نے ایک نظم میں بمبئی کے حُسن و قبح کی سچّی تصویر کھینچکر دکھائی تھی اسمیں چند اشعار اور اضافہ کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

بمبئی کیا تیری اعلیٰ ہے شان — شاہِ آصف ہوے ترے مہمان
تیری تقدیر کو اب اوج ہوا — اَب ترے حُسن کا سودا ہوگا
نام ملکوں میں ہے تیرا مشہور — سیر تیری ہے ہر اِک کو منظور
سِن میں تو گرچہ بہت بڈّھی ہے — نوجوانوں سے مگر اچھّی ہے
حُسن اور شان ہے تری اعلیٰ — جمع ساماں ہیں تجھ میں کیا کیا
کون سی شے ہے وہ جو تجھ میں نہیں — اچھے اچھے ہیں ترے پاس نگیں
اچھے اچھوں کو رجھاتی ہے تو — سب دماغوں میں ہے تیری خوشبو
دلفریبی میں ہے اول سب سے — دلرُبائی میں ہے افضل سب سے
تجھ میں کیا شانِ خود آرائی ہے — حُسن ہے آن ہے رعنائی ہے
راستے تیرے بڑے اور وسیع — ہیں مکاں اونچے بلند اور رفیع
شاہیں اعلیٰ ہیں تھیٹر اعلے — ہسپتال اور مدارس ہر جا

مارکِٹ گرنیاں اور ہیں بازار — رات دن ہوتا ہے جنمیں بیوپار
ہیں کلب اور کتب خانے بھی — اپنے بھی آتے ہیں بیگانے بھی
جتنے دفتر ہیں وہ سرکاری ہیں — جتنے کالج ہیں بہت بھاری ہیں
جیلخانے ہیں سزا دینے کو — اور خزانے ہیں جزا دینے کو
ہندوؤں کے ہیں دھرم سالے بھی — مسجدیں بھی ہیں خدا والے بھی
اور ٹکسال و شفا خانے بھی — اور مسجد بھی ہے بتخانے بھی
تجھ میں ہوٹل بھی ہیں میخانے بھی — جسمیں شیشے بھی ہیں پیمانے بھی
بانوبازوں کے مدک خانے ہیں — سارے دُنیا ہی کے افسانے ہیں
پادری سیکڑوں صد ہا گرجا — دیویوں میں ہے ہمیشہ پوجا
چھاؤنی فوج کی ہے چھائی جُدا — اور ہے خلق تماشائی جُدا
فیکٹریز اور پریس ہیں بہتر — خفیہ پولس بھی ہے بیخوف و خطر
پلٹنیں اور رسالے ہیں جدا — توپخانے ہیں برائے اعدا
پہرے پولس کے نگہبان ترے — اور گورنر بھی ہیں مہمان ترے
اِک طرف کوہ ہیں ٹیلے ہر جا — اور سمر ہوز بھی اور ہے دریا
ہے سمندر بھی فدائی تیرا — کشتیاں پھرتی ہیں اِسمیں ہر جا
آگبوٹ اور جہازِ جنگی — مجھ سے تعریف ہو کیونکر انکی
ناخدا جتنے ہیں سب خانہ بدوش — سولجر جنمیں شجاعت کا جوش

مستعد کا موتمیں اپنے ہے فوج
اس لئے بخت کو اُنکے ہے اوج

تار برقی کا نرالا ہے کام
اور ٹیلیفوں سے ہے سبکو آرام

راستوں پر ہیں جو موٹر چلتے
گاڑی موٹر کے ہیں چھوٹے چھکلے

کہیں سردار رہا کرتے ہیں
اور بے پار ہوا کرتے ہیں

فوج کی روز ڈرل ہوتی ہے
کبھی غافل وہ نہیں سوتی ہے

کہیں کرکٹ کہیں ٹینس فٹ بال
کوئی مفلس نہیں سب مالامال

شرط گھوڑوں کی ہوا کرتی ہے
فوجی کرتب کی اِنھیں یاد ہے لے

ہے ہر اک قوم کی مخلوق وہاں
اور حسیں سیکڑوں معشوق وہاں

ہیں جو ہز ہائینس آغا خاں واں
وہ بھی اِک قوم کے اعلیٰ ہیں نشاں

ہیں جواں بخت بہادر باخیر
کرتے ہر وقت ولایت کی ہیں سیر

میمن اور بھاٹئے بھورے بامن
اور ولیوں کے وہاں ہیں مدفن

مارواڑی بھی ہیں تجار بھی ہیں
مومن اور صاحبِ زنّار بھی ہیں

کنگ کی ساری رعایا خوشحال
ہیں جواں بخت تو ہیں با اقبال

ختم ہے انپہ عدالت بخدا
دوست دشمن کو ہیں رکھتے یکجا

باگ بکری میں ہے الفت ایسی
اُنمیں ہوتی نہیں ہے جنگ کبھی

کچھ تعصب کا نہیں نام یہاں
بادشاہوں کو یہی ہے شایاں

گاڑیاں چلتی ہے موٹر بھی ہیں
اور گھوڑے پری پیکر بھی ہیں

عُلمأ اور ہنر مند بھی ہیں — اہل ایران و سمر قند بھی ہیں
کہتے ہیں جس کو اپالو بندر — وہ بھی ہے حُسن کا اُسکے زیور
شام کے وقت کا پیارا منظر — دیکھکر ہوتے ہیں سارے ششدر
جگھٹا روز پری رویوں کا — ہوتا ہے خلد کا اکثر دھوکا
نازنیں کوئی تو کوئی ہے حسیں — کوئی کمسن ہے کوئی ماہ جبیں
کوئی تو گھوڑے سوار آتی ہے — جس طرح باد بہار آتی ہے
کوئی یکّہ پہ ہے جوڑی پہ کوئی — کوئی موٹر کی ہے شوفر اچھی
ساتھ ہر اِک کے ہے خاوند اُسکا — ہاں لگا رکھا ہے توشہ اپنا
سیر کرتی ہے کوئی ہوٹل کی — کوئی سڑکوں پہ ہے پیادہ چلتی
نظر آتی ہے خریدار کوئی — اور ہے یوسفِ بازار کوئی
کرتی ہے شاپ کا کوئی سودا — اور کسی پر ہے کوئی دلسے فدا
بچھڑے ہر روز ملا کرتے ہیں — وصل کی دل سے دعا کرتے ہیں
شام کی دھوپ وہ پیلی پیلی — سطحِ دریا کے کناروں سے لگی
کرنیں نرم ہیں شرمائی ہوئی — در و دیوار پہ ہیں چھائی ہوئی
مہر کا رنگ خبر دیتا ہے — کسی معشوق پہ یہ مرتا ہے
جستجو کر کے بہت چار پہر — غرب کی سمت وہ کرتا ہے سفر
جا کے آرام کرے گا شب بھر — اور نکلے گا بصد شان قمر

ساتھ تارونکی رہیں گی افواج — اور پروانوں کا ہوگا پھر راج
شمع محفل کو کرے گی روشن — ہوں گے ہشیار ڈکیت اور رہزن
شام ہوتے ہی ہوا طَور جُدا — ٹھاٹھ سب جگمگیا کچھ اور نیا
جمع حورونکے پرے ہونے لگے — اور عِبا لمرد نکیلے بانکے
ہوٹلوں کی کھُلی شب میں قسمت — جمع ہونے لگے اہل دولت
بینڈ بجنے لگی اَب خوش آواز — خوش گلو گانے لگے باصد ناز
روشنی ہونے لگی سب برقی — آرزو پوری ہوئی سب دلکی
راگ مالونکی صدائیں دلکش — میکشی کر رہے ہیں سب میکش
کوئی اٹھلاتی ہوئی آتی ہے — اور کوئی ناچتی اور گاتی ہے
برج کی بازی میں مصروف کوئی — کھیلتا ہے کوئی بلیرڈ اچھی
کوئی ہے حسن پہ اپنے مغرور — کوئی ہے بادۂ اُلفت میں چور
کوئی باتوں میں ہے مصروف تمام — کوئی بیٹھی ہوئی بالائے بام
کوئی اخبار پڑھا کرتی ہے — کوئی پوشاک سیا کرتی ہے
عابدہ کوئی کوئی ہے میخوار — کوئی خوشباش تو کوئی نادار
مرد بھی بیٹھے ہیں سب مل جل کر — دل لگی کرتے ہیں بیخوف وخطر
وِسکی اور سوڈا کوئی پیتا ہے — کوئی جوڑی تو کوئی تنہا ہے
کہیں ورزش کے مہیّا سامان — کہیں کُشتی کے ہیں ہر جا سامان

بمبئی ہے کہ ہے رشکِ جنّت　　ہر طرح سبکو میسّر راحت
ہے اگر عیب تو یہ ہے اِسمیں　　کرتے ہیں اُس سے خبردار ہمیں
یہ دغاباز ہے دلّالہ ہے　　بڑی قطّامہ ہے علّامہ ہے
نوجوانوں پہ ہے یہ دل سے فدا　　اسمیں طینت میں نہیں کچھ بھی وفا
خواہ مفلس ہو کہ ہو دولتمند　　اُسکو آجاتا ہے ہر ایک پسند
ناز کرتی ہے لُبھالیتی ہے　　جو کوئی آئے لگالیتی ہے
ایسی بن ٹھن کے وہ ہوتی ہے جواں　　دیکھکر ہوتا ہے ہر اِک قرباں
نذر کرتا ہے کمائی اپنی　　سوچتا کب ہے بھلائی اپنی
اسکا جو کوئی کہ شیدائی ہے　　اُسنے اچھی ہی سزا پائی ہے
نوجوانوں کے لئے ہے قاتل　　اِس پر آئے نہ کسیکا کبھی دل
جان کر جو کوئی دے جان اسیر　　وہ نکلتا ہے وہاں سے مرکر
جو غنی جائے وہ مفلس ہوجائے　　اپنے کرنیکی سزا اچھی پائے
میکشی سے نہیں بچتا کوئی　　جو گیا فسق کی اُسکو سوجھی
دام میں جو کوئی یکبار آیا　　آخرش جان سے جاکر چھوٹا
جان کا جانا تو آساں ہے وہاں　　ہو کے رہتا ہے تصدق ایماں
میکشی اور زناکاری ہے　　توبہ توبہ وہ گنہگاری ہے
گلی کوچوں میں پڑے پھرتے ہیں　　ایک پر ایک سبھی گرتے ہیں

کسبیاں کیا ہیں چڑیلیں ہیں سب — داؤ دینے کے بہت یاد ہیں ڈھب
گانٹھ سے پیسے اُڑا لیتی ہیں — لیکے دل آنکھ چُرا لیتی ہیں
جب گئے شاپ میں مُنھ بھر آیا — سیکڑوں اور ہزاروں کھویا
مارکٹ سے کوئی خالی نہ پھرا — خوب جی بھر کے کیا واں سودا
پھس گیا جاکے جو تھیٹر میں کوئی — چاہتا کب ہے ہٹے واں سے جی
بال میں جاکے لیا سر پہ وبال — سر سے لے تا بہ قدم کھنچگئی کھال
الغرض دل سے مری ہے یہ دعا — نوجوانوں کو بچائے مولے
دام میں اسکے نہ آئے کوئی — اِس سے یاں دل نہ لگائے کوئی
سیر کے واسطے صِرف اچھی ہے — ورنہ یہ صاعقہ ہے بجلی ہے

پند کرتے رہو دل شاد رہو
شاد زندہ رہو آباد رہو

١٧ - جون ١٩١٣ء م - ١٢ - امرداد ١٣٢٢ف	آج معمولی سیر و تفریح کے سوا کوئی نیا کام نہیں ہوا۔
١٨ - جون ١٩١٣ء م - ١٣ - امرداد ١٣٢٢ف	آج بھی کل کی طرح معمولی ملاقاتوں اور سیر و تفریح اور شاپنگ کے سوا کوئی نیا کام نہیں ہوا۔
١٩ - جون ١٩١٣ء م - ١٤ - امرداد ١٣٢٢ف	آج میں نے اپنے بچوں کو تاج محل ہوٹل کے اُس حصّہ میں جو میری سکونت کے لئے مقرر کر لیا گیا تھا لیجا کر دکھایا۔ ایک

رُباعی اس تاج محل کی تعریف میں موزوں کی جو درج ذیل ہے۔

رُباعی

کیا خوب مقام شاد ہے یہ تاج محل — اعلیٰ منزل ہے شان اسکی افضل
حاصل ہے ہر اک طرح کا اسمیں آرام — جنّت تو نہیں مگر ہے اچھا ہوٹل

۲۰-جون ۱۹۱۳ء
م-۱۵-امرداد ۱۳۲۲ف
محلات اور بچوں کو بمبئی کے بعض مقامات کی سیر کرائی حضرت پیر ابراہیم صاحب بغدادی غریب خانہ پر تشریف لائے تھے برخوردار عثمان پرشاد اور بچوں کو دعا پڑھ کے واپس ہوئے۔

۲۱-جون ۱۹۱۳ء
م-۱۶-امرداد ۱۳۲۲ف
آج میں ۹ بجے صبح کے مع اپنے چند مصاحبین اور سکرٹری کے پیر محمد ابراہیم صاحب بغدادی کی ملاقات کو گیا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ بہت دیر تک تصوف و توحید باری تعالیٰ میں اُن سے بحث ہوتی رہی۔ صاحب نظر ہیں میرے ہر سوال کا جواب تسلّی بخش دیا۔ علاوہ اسکے ملکی معاملات اور سلطنتوں کے انتظامات پر بھی تنقیدی نظر ڈالنے میں اُنکی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت کے برادر نسبتی سیّد جمال الدین قادری بھی حضرت کے ہمراہ موجود تھے اُن سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب بھی جوانِ صالح اور قابل ہیں۔ حال میں حضور پُرنور خلد اللہ ملکہٗ نے آپکو اپنے خزانے سے ماہانہ ایک ہزار مقرر فرمادیا ہے۔ ایک بجے اُن سے رخصت ہو کر کوٹھی کو واپس گیا۔

۲۲-جون ۱۹۱۳ء
م-۱۷-امرداد ۱۳۲۲ف
معمولی سیر و تفریح و جوابات تار و خطوط کے کوئی نیا کام نہیں ہوا۔

۲۳ - جون ۱۹۱۳ء
م ۱۸ - امرداد ۱۳۲۲ ف

دن بھر معمولی کاموں کے سوا کوئی کام نہیں ہوا۔ شب کے ساڑھے دس بجے بمبئی سے اجمیر شریف کو روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر بمبئی کے بہت سے احباب موجود تھے۔ اُن سب کو خدا حافظ کہا۔

۲۴ - جون ۱۹۱۳ء
م ۱۹ - امرداد ۱۳۲۲ ف

شب بھر میں اپنے سیلون میں آرام سے سویا کیا صبح کا ناشتہ ریل ہی میں کیا۔ ۲ بجے ہماری گاڑی آبو روڈ پر پہونچی میں نے اپنے ساتوں ڈبے جو رزوڈ تھے علیحدہ کرا کر کھانے کی تیاری کا حکم دیا۔ شب کے گیارہ بجے تک وہاں رہکر روانہ ہونے والی ٹرین میں گیارہ بجے اجمیر شریف کو روانہ ہوا۔ یہاں کا اسٹیشن ماسٹر نہایت خلیق اور شریف آدمی ہے اُسنے خبر دی کہ مہاراجہ بیکانیر بھی چند روز سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اور میرے آنے کی بھی ہز ہائنس کو خبر معلوم ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے اُس سے کہہ دیا کہ ہز ہائنس مہاراجہ بیکانیر جس روز واپس ہوں میرا سلام و نیاز پہونچا دیا جائے۔

۲۵ - جون ۱۹۱۳ء
م ۲۰ - امرداد ۱۳۲۲ ف

صبحکے ۱۱ بجے گاڑی اجمیر شریف پہونچی۔ چونکہ بہ نسبت پہلے کے اب میرے اسٹاف میں تقریباً ڈیڑھ سو آدمی تھے اس لیے عبدالکریم تحصیلدار نے (جن کو میں اجمیر شریف میں چھوڑ گیا تھا) زنانہ اسٹاف کے لئے (سیٹھ سمیر مل) کی دو کوٹھیاں اور اُس کے قریب ایک اور مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ ایک کوٹھی محاذی صدر رپٹہ خانہ اجمیر جس میں پہلے آکر میں رہا تھا وہ اپنے دامادوں اور بیٹیوں کے لئے مقرر کر دیا اور ایک اُس سے کسی قدر فاصلہ پر

قریب پوسٹ آفس کے واقع تھی اسمیں زنانہ کو اُتروادیا اور میں اُسی کے محاذی ایک چھوٹا سا مکان جو لیا گیا تھا اُسمیں اُتر گیا۔ معمولی کاموں اور جوابات تار و خطوط کے سوا اور کوئی نیا کام نہیں ہوا۔

۲۶- جون سنہ ۱۹۱۳ء
م- ۲۱- امرداد سنہ ۱۳۲۲ف

معمولی کاموں اور ملاقات کے سوا دن بھر کوئی نیا کام نہیں ہوا۔ درگاہ شریف میں دیگ کی تیاری کا حکم دیا اِس کے قبل بمبئی جانے سے پہلے ایک دیگ کر چکا تھا شب کو قوالی کے جلسے میں گیا اور زیارت سے مشرف ہو کر واپس آیا اور سو گیا۔

۲۷- جون سنہ ۱۹۱۳ء
م- ۲۲- امرداد سنہ ۱۳۲۲ف

عثمانیہ اسکول کے منیجر آئے اُن سے ملاقات کی۔ دس بجے درگاہ شریف میں اپنے محلات کو لے گیا بعد ادائے نیاز و فاتحہ مَنّتِ برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عمرہٗ کی پہلی سالگرہ کی گرہ حضرت خواجہ اجمیر شریف کے روضہ میں ڈال دی گئی اور بعد ادائے رسم سالگرہ میں نے بچہ کو حضرت کے دامن میں ڈالدیا عجب حیرت کا مقام ہے کہ جسوقت برخوردار کو حضرت کے دامن میں ڈالا۔ اُس بچّے نے مزار کی طرف ایسی ٹکٹکی باندھی کہ جیسے کوئی کسی کو دیکھ رہا ہے۔ دس منٹ تک کامل اِس نے اپنا رُخ اِدھر سے دوسری طرف نہیں کیا اور میرا منجھلا لڑکا خواجہ نصر اللہ اسقدر جوشِ مسرت سے اردگرد مزار کے پھرتا تھا گویا اپنے والدین کے اطراف پھرتا ہے اور ہر وقت مجھے اور اپنی ماں کو خواجہ کے مزار کی طرف اشارہ کر کے ہنستا ہوا کہتا کہ (وہ دیکھو) گویا اشارہ کرتا ہے کسی کو دیکھنے کے لئے اِس بچّے کا کہنا دلپر ایسا اثر کر گیا کہ سب کے سب محوِ حیرت

ہو گئے دو منٹ تک بیخودی کا عالم رہا۔ وہاں سے واپس ہوا اور شام کو دیوانجی صاحب سے مل کر وہیں سے پھر درگاہ شریف کو چلا گیا شب کو قوالی سنکر واپس آیا۔

۲۸۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۲۳۔ امرداد ۱۳۲۲ف

معمولی ملاقاتوں اور جوابات تار و خطوط کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوا۔ دیگ لٹنے کے وقت میں نہیں جا سکا۔ اپنے تحصیلدار عبدالکریم اور دو مصاحبوں کو بھیجکر سید حنیف سے دیگ لٹوائے جانیکا حکم دیدیا اور شام کے پانچ بجے ڈیرہ دون کی روانگی کا سامان کرکے مع محلات و مصاحبین وغیرہ اسٹیشن پر آیا اور اپنے داماد تاچند (دولھا راجہ) اور اپنی لڑکی اور نواسی کو مع اُن کے اسٹاف کے حیدرآباد کو واپس جانیکی اجازت دی۔ اگرچہ میرا قصد تھا کہ سفر میں اور بچوں کے ساتھ اسکو بھی ساتھ رکھوں مگر لڑکی کی زچگی کا زمانہ قریب تھا اس لئے بلدہ کو بھجوا دینا مناسب خیال کیا۔ اور میں اپنے سیلون و بوگی وغیرہ میں ۵ بجے شام کے روانہ ہوا۔

۲۹۔ جون ۱۹۱۳ء
م ۲۴۔ امرداد ۱۳۲۲ف

شب بھر اپنے سیلون میں آرام سے سویا کیا صبح کے سات بجے گاڑی ہماری دہلی کے اسٹیشن پر پہونچی۔ میں نے اپنے ڈبے علیحدہ کرا کر اسٹیشن کے ایک طرف قیام کیا۔ ۹ بجے مجھے خبر ملی کہ حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی اسٹیشن پر آئے ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کو اپنے سیلون تک جا کر لے آیا اور بچوں کو دکھایا۔ حضرت خواجہ نے سب بچوں پر دعا پڑھی اور تھوڑی دیر تشریف رکھ کر اپنے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شام کے چھ بجے موٹر میں مع محلات دربار محبوب الٰہی میں حاضر ہو کر ۹ بجے وہاں سے واپس ہوا پھر خواجہ صاحب سے ملا۔ گیارہ بجے شب کے دہلی سے ڈیرہ دون

کو روانہ ہوا۔

۳۰ - جون ۱۹۱۳ء م - ۲۵ - امرداد ۱۳۲۲ف	۷ بجے صبح کے لہکسر جنکشن سے ڈیرہ دون کی گاڑی میں ہمارے ڈبے لگائے گئے اور ۱/۲ - ۱۰ بجے ہم ڈیرہ دون میں پہونچے۔

میں نے اپنے منجھلے داماد میر خورشید علی معروف بہ (دولھا نواب) کو جو ڈیرہ دون میں امپریل کیڈٹ کور میں تعلیم پاتے ہیں۔ کوٹھی کے انتظامات کے واسطے بذریعہ تار اطلاع دی تھی۔ اسٹیشن پر پہونچنے کے ایک گھنٹے بعد (دولھا نواب) مجھ سے ملے اور میں اُنکو موٹر میں ساتھ لیکر کوٹھی دیکھنے کے لیئے گیا۔ کوٹھی دیکھکر واپس آیا اور تمام محلات اور اسٹاف کو ساتھ لیکر کوٹھی کو چلا گیا۔ یہ کوٹھی دہلی بینک کے متصل ہے۔ ڈیرہ دون ہردوار سے ۳۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ریل میں جاتے وقت راستے کا نظارہ مُردہ دلوں کے لئے مسیحائی کا کام کرتا ہے۔ جا بجا پانی بہ رہا ہے۔ ریل کے دونوں طرف پہاڑ۔ پہاڑوں پر سبزہ۔ سبزہ میں رنگ برنگ کے خوشنما پھول قدرت کی سینیری کو اُبھار رہے ہیں۔ دامن کوہ میں جنگل اسقدر گھنا ہے کہ روزِ روشن میں شبِ یلدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔

ڈیرہ دون نہایت پُرفضا اور خوشگوار مقام ہے ۱۸۱۴ء تک منصوری اور نینی تال نیپال کی سلطنت میں تھے۔ انگریزوں اور نیپالیوں میں جب لڑائی ہوئی تو انگریزوں کی فتح ہونے پر یہ دونوں مقام سرکار انگریزی کے قبضے میں آگئے منصوری ڈیرہ دون سے ۱۴ میل کے فاصلے پر ہے۔

ڈیرہ دون بجائے خود ایک دلکش مقام ہے جو خود باعتبار مناظر اپنی مثال

خود ہے اسکے چاروں طرف سر بہ فلک کشیدہ پہاڑ ہیں جو خود رو سبزہ سے چھپے ہوئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں لہکسرا اور رہرووار کے وسط سے ایک جنگل (جس کو عام طور پر جھاڑی کہتے ہیں) شروع ہوا ہے۔ یہ جنگل گرد و نواح کے پہاڑوں کو طے کرتا ہوا نیپال کی طرف نکل گیا ہے۔ یہ جنگل اسقدر گھنا ہے کہ انسان کا گذر تو ایک طرف مرغ نظر کو بھی گنجائشِ پرواز نہیں ہے۔ ہر قسم کے صحرائی درندوں و گزندوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اِس جنگل کو کجلی بن بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے یہاں ہاتھی کا بھی شکار ہوتا ہے۔ راجہ بلرام پور ہر دوسرے تیسرے برس ہاتھیوں کے شکار کو یہاں آتے ہیں اور دس بارہ ہاتھی شکار کر کے اپنے ساتھ لیجاتے ہیں۔ یہ جنگل۔ شیر۔ تیندوا۔ ریچھ۔ بور بچّہ۔ وغیرہ جانوروں کا مسکن ہے۔ اِس جنگل میں ہر قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ ہندوستان میں جس قدر نوادر اشیاء لکڑی کے بنائے جاتے ہیں اکثر و بیشتر وہیں کی لکڑیوں کی ہوتے ہیں دیرہ دون میں ایک فارسٹ کالج (مدرسۂ جنگلات) بھی ہے جہاں کے تعلیم یافتہ ہندوستان کے ہر حصّہ میں ممتاز تسلیم کیئے جاتے ہیں۔ ہمارے نظام گورنمنٹ میں بھی وہاں کے سند یافتہ موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ برخوردار عثمان پرشاد کی علالت کے باعث میں یہاں کے مشہور مقامات کو دیکھ نہ سکا۔

یکم جولائی سنہ ۱۹۱۳ء م ۔ ۲۶ ۔ امرداد سنہ ۱۳۲۲ف	صبح کی دلچسپیوں سے وجود واجب الوجود کا دم بھرتا ہوا اپنے معمولی کاموں میں مصروف ہوا۔
۲ ۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء م ۔ ۲۷ ۔ امرداد سنہ ۱۳۲۲ف	معمولی کاموں کے سوا کوئی نیا کام نہیں ہوا۔

۳۔جولائی ۱۹۱۳ء م ۲۸۔امرداد ۱۳۲۲ف	آج ایک پارسل خواجہ حسن نظامی صاحب کا بھیجا ہوا دہلی سے پہونچا جن میں کچھ بچوں کے لیئے اُنھوں نے تحفہ روانہ فرمایا تھا

آج میں نے رام راؤ خزانچی کو ہردوار جانے اور وہاں مہارانیوں اور نیز ہندو اسٹاف کے قیام کا انتظام کرنے کے لئے حکم دیا اور ایک تار ہز ہائنس مہاراجہ کشمیر کو ان کی کوٹھی کی اجازت حاصل کرنیکے لیئے دیا۔ مہاراجہ کشمیر نے یہ کوٹھی گنگا کے کنارے ہر کی پیڑی کے قریب بنائی ہے اور مستورات کے اشنان کے لئے پردہ کی دیوار کھینچکر گنگا کا کچھ حصہ کوٹھی میں لے لیا ہے جسکی وجہ سے عورتوں کو اشنان کرنے کے لئے باہر جانا نہیں پڑتا اور بآسانی اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکتی ہیں۔ چونکہ دیرہ دون مُردہ دلوں کی مسیحائی کرنیکا دعویدار ہے اور اپنے قدرتی مناظر میں اپنی یکتائی کا حریف نہیں رکھتا۔ علی الخصوص شاعرانہ مذاق کیلئے خیالات میں تازگی و جدت پیدا کرنیکی ایک قدرتی قوت ہے۔ لہٰذا اس دلچسپ مقام پر جو کچھ میرے دل و دماغ سے نظم کے پیرایہ میں نکلا اسکو دعوت طبعِ ناظرین روزنامچۂ ہٰذا کے لیئے حوالۂ قلم کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ رُباعیات اور غزلیات اور بعض اور نظمیں مختلف تاریخوں میں لکھی گئی ہیں۔ مگر میں نے اس کو صرف دیرہ دون کے قیام میں ایک ہی تاریخ میں لکھدی ہیں۔

رُباعیات

کیا خوب جگہ ہے شاد یہ دیرہ دون　　　جس نے دیکھا ہوا وہ دل سے مفتوں

اونچے اونچے پہاڑ ہیں کہ جوبن کا اُبھار　　سیدھے سیدھے درخت ہیں کہ قدِ موزوں

دیگر

ہے کیا ہی بہار اور فضا ہے کیا واہ　　وہ کوہ جہاں نہ چڑھ سکے مرغِ نگاہ
قدرت کے ہے باغ کا یہ منظر اے شاد　　ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ

دیگر

ہے دشت وجبال کا عجب کچھ منظر　　ہر رنگ کے گل ہر اک طرح کے ہیں شجر
قدرت کے بھی اے شاد ہیں کیا کیا جلوے　　اُٹھتی نہیں جس سمت کہ پڑتی ہے نظر

دیگر

ہے کوہ اور شجر میں جلوہ کس کا　　اے شاد مرا دل ہے یہ شیدا کس کا
دیکھا جس کو وہی نظر میں آیا　　ہے مردمِ چشم میں تماشا کس کا

دیگر

بچپن میں کبھی تو نہ خوش اوقات ہوا　　آیا جو شباب موردِ آفات ہوا
جب پیر ہوا تو پیرِ کابل ٹھہرا　　صد شکر کہ اب پیرِ خرابات ہوا

دیگر

ہر وقت مددگار رہے میرا مولے　　ہر حال میں ہے مجھے سہارا اُسکا
خالق کو گواہ کرکے کہتا ہوں شاد　　اُسکا بندہ ہوں جو ہے نصیری کا خدا

دیگر

عُسرت کو مری بس اَب تو زائل کر دے
حل بندہ نواز میری مشکل کر دے
مانند ہلال غم سے ناقص ہے شادؔ
تو مہر سے اپنے بدرِ کامل کر دے

دیگر

مولا مرے اَب حل مری مشکل کر دے
ناشاد ہے شادؔ اسکو خوشدل کر دے
نکلا ہے زیارتوں کو خالی ہے جیب
بھرپور بس اَب دامنِ سائل کر دے

دیگر

کیا حُسن کا ہے گرم بازار ترا
ہر کافر و مومن ہے خریدار ترا
سودا ہے گراں شادؔ ہے تیرا مفلس
کس طرح بھلا اس سے ہو بیوپار ترا

دیگر

ہستی میری جو ہے وہ ہستی تیری
مستی میری جو ہے وہ مستی تیری
تو شخص ہے میں عکس ہوں کچھ فرق نہیں
کیا جنسِ معرفت ہے سستی تیری

دیگر

مایوس ہوں ابتو کامرانی ہو جائے
ہاں شادؔ پہ لطفِ خسروانی ہو جائے
بندہ کو ترے نہیں ہے اَب صبر کی تاب
مولا مرے جلد مہربانی ہو جائے

دیگر

کیا حال سُناؤں میں پریشانی ہے
افسانہ مرے درد کا طولانی ہے
سامان خوشی کا ہو مہیا جلدی
تکلیف بہت شادؔ کو روحانی ہے

دیگر

کیا کفر ہے اور کیا یہ مسلمانی ہے
اے شاؔد دوئی خطورِ شیطانی ہے
کچھ صوم و صلوٰۃ پر نہیں ہے موقوف
توحید جو ہے یہ وصفِ رحمانی ہے

دیگر

کیسی یہ شراب اور مستی کس کی
تیری ہستی ہے دیکھ ہستی کسکی
کس کا گُل اور خار کسکا اے شاؔد
ویرانہ ہے کس کا تو یہ بستی کسکی

چونکہ طبیعت کو وہاں کے مناظر سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ ایک روز ایک قصیدہ شروع کیا جسکی تشبیب حمد خدائے بیچون وچرا سے کی۔ قصد تھا کہ اسمیں ڈیرہ دون کے تمام مناظر کی تصویر کھینچوں لیکن اس قدر وقت مجھے نہ ملا کہ میں اسکو پورا کرتا ناتمام ہی ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

ہے ہر اِک شے سے نمایاں قدرتِ پروردگار
دیدۂ دل سے نظر کر ہے اگر تو ہوشیار
کون اِن چیزوں کا خالق ہے اسے پہچان لے
کسکے فیضِ آبیاری سے زمیں ہے لالہ زار
کسنے سطحِ آب پر کیونکر بچھائی ہے زمیں
اور زمیں پر نصب کی ہے کسنے میخ کوہسار
کسنے پتھریلی زمیں پر یوں اُگائے ہیں درخت
اِن درختوں میں کئے ہیں کسنے پیدا برگ و بار
پھول یہ کس نے بنائے کسنے رنگ انمیں بھرا
ایک ہی پھول کی ہے رنگ ہیں لیکن ہزار
کسکی صنعت کا نمونہ ہے یہ گلزارِ جہاں
کسکی یہ گلکاریاں ہیں کسکے یہ نقش و نگار
تخت و فوق و عرش و فرش و نور و ظلمت آب و گل
جن و انس و وحش و طیر و بر و بحر و کوہسار

پست و اوج و انجم و قطب و زمین و آسماں | سال و ماہ و ساعت و مہر و مہ و لیل و نہار
زشت و خوب و حسن و عشق و قبل و بعد و فرد و زوج | ان کا خالق کون ہے کون انکا ہے آمرزگار
ہیں یہی اشیا دلیلِ دعویٔ عرفانِ حق | ہیں یہی اشیا ثبوتِ قدرتِ پروردگار
وہ ہر اک شے میں نہاں ہے اور ہر اک شے میں عیاں | یہ بھی اُسکی شان ہے ظاہر میں ہے وہ آشکار
وہ وہ پنہاں ہے کہ ہر پنہاں سے ہے اُسکا ظہور | وہ وہ ظاہر ہے کہ ہر ظاہر ہے اُسکا پردہ دار
وہ ہمارے سامنے ہر چیز میں ہے جلوہ گر | دیکھ چشمِ معرفت سے اسکو اے غفلت شعار
ہے وہ پردہ میں مگر پردہ درِ اسرارِ خلق | اپنا پردہ آپ اُٹھاتا ہے وہ ہوکر آشکار
ظاہر و پنہاں ہے وہ اپنے ارادونکی طرح | آئینہ بھی ہے وہی اور ہے وہی آئینہ دار
ظاہر اُسکا ہے نہاں اور باطن اسکا ہے عیاں | قدرت اُسکی مستقل ہے صنعت اُسکی استوار
آؤ دیکھیں اسکے دستِ صنع کی گلکاریاں | آؤ دیکھیں گلشنِ قدرت کی اُسکے ہم بہار
کوہ دیرہ دوں کا منظر ہے ہمارے سامنے | کیا مقامِ دلکشا ہے کیا ہوائے خوشگوار
سبز چادر اُڑھے سر سے پا تلک استادہ ہیں کوہ | سر اُٹھائے کر رہے ہیں وہ کسی کا انتظار
سبزۂ خودرو نے ڈھانپا ہے تنِ ہر کوہ کو | تازگی جسکی نمائش گاہِ قدرت کی بہار

ترجیع بند بر مطلعِ اکبر

ہے کیا عروجِ دنیا اور کیا زوالِ دنیا | کیا چیز ہے حکومت، ہے کیا یہ آلِ دنیا
بدکیش بیوفا ہے مکّار و پُر دغا ہے | کیا ہے فراقِ دنیا، ہے کیا وصالِ دنیا

شربت ہے دیکھنے کو لیکن ہے سمِّ قاتل — معدن فریب کا ہے مال و منالِ دُنیا
دھوپ اسکی دوپہر کی گرمی ہے عمر بھر کی — ہے سوءِ ظنِّ عاقل حسن و جمالِ دُنیا
مرتے ہیں جو کہ اسپر مُردوں سے ہیں وہ بدتر — آخر اُٹھائیں گے وہ اِک دن وبالِ دُنیا
جو لوگ ذی خبر ہیں ذی عقل و ذی نظر ہیں — وہ خوب جانتے ہیں کیا ہے مآلِ دُنیا
بے اعتبار بھی ہے یہ بے مدار بھی ہے — اے شادؔ چھوڑ دے تو خواب و خیالِ دُنیا
اکبر کا بس یہ مطلع رکھ پیشِ چشمِ مردم — روشن ہے اِس سے بالکل انجام و حالِ دُنیا

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
اَب فکرِ آخرت ہے دُنیا کو خوب دیکھا

قطعہ

گرچہ ہیں ہندو و مُسلماں معترض تو کیا ہوا — کیا میں ہندو رہ گیا کیا میں مسلماں ہو گیا
کہتے ہیں ہندو یہ سارے ہو گیا کھتری بھرشٹ — اور مسلماں کہتے ہیں کافر تھا شیطاں ہو گیا
ہندوؤں میں آریوں کا قولِ فیصل ہے یہی — کھا کے آصف کا نمک ہندو مسلماں ہو گیا
اتنی ہی باتیں ہیں جتنی ہیں زبانیں خلق کی — میرا مذہب کیا ہوا بازیٔ طفلاں ہو گیا
واہ اِس چشمِ بصیرت کے تصدق جائیے — اِن پرکھنے والوں کا میں دلسے قرباں ہو گیا
کیا محک ہے کیا نظر ہے خوب ہی پرکھا مجھے — داد ایسی دی کہ یہ دل میرا شاداں ہو گیا
مُلک و ملت گوش دلسے عرض اَب سُن لے مری — خواہ میں کافر رہا یا میں مُسلماں ہو گیا
میرا مشرب صوفیانہ اور ملت صلحِ کُل — صورتِ انسان تھا پہلے اب میں انساں ہو گیا

قوم کا کھتری ہوں یعنی صاحبِ سیف و قلم
تھا فقیرِ بینوا لیکن میں ذیشاں ہو گیا

مالکِ طبل و عَلَم ہوں صاحبِ علم و ہنر
کون سے اعزاز میں کب رہن حرماں ہو گیا

خادمِ ہر قوم ہوں اور قسمیہ کہتا ہوں میں
مجھ سے حق سے یہ ازل میں عہد و پیماں ہو گیا

چھوڑیئے مذہب کو میرے مجھ سے خدمت لیجیئے
تم سمجھ لوگے کہ ہر اِک کام آساں ہو گیا

صلحِ کل ہوں میں کسی سے کچھ نہیں رکھتا عناد
گو زمانہ دوست ہو کر دشمنِ جاں ہو گیا

میں بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں اپنے واسطے
کوئی کیوں میرے لئے رنجش کا خواہاں ہو گیا

حضرتِ آصف کے فیضِ تربیت سے شادؔ میں
ایک ذرّہ تھا مگر مہرِ درخشاں ہو گیا

اتفاق

اتفاقِ قوم اب درکار ہے
یہ نہیں تو زندگی بیکار ہے

خوش ثمر پوچھو تو کیا ہے ؟ اتفاق
اس سے ہی سرسبز ہر گلزار ہے

مغربی والوں کو حاصل ہے یہ بات
مشرقی محروم ہیں ادبار ہے

دور ہوگا ہمسے کب یارب نفاق
پڑ گیا پیچھے یہ کیا آزار ہے

نقد سودا اِن دنوں پوچھو یہ ہے
گرم اِسیکا آجکل بازار ہے

قطعہ

ایک عاقل نے کہا یہ قوم سے
اچھا سودا اگر تمھیں درکار ہے

بیچتا ہوں سستے داموں اتفاق
ہند بے اس کے بہت نادار ہے

سُن کے بولا ایک کیا ہے تیرے پاس — سونے اور روپے کا بھی بیمار ہے
کیا کریں ہم لیکے تیرا اتفاق — ہم تو ہیں مفلس درم درکار ہے
ہنس کے بولا بھائی کیا افسوس ہے — گر تمھیں دام و درم درکار ہے
اِس مرض میں ہو اگر تم مبتلا — وہ بھی حاضر اے مرے سردار ہے
کہکے اُس نے ایک بوتل پیش کی — اور کہا حاضر ہے گر درکار ہے
پیجئے اِک گھونٹ اِس کا دیکھئے — نام اس کا شربتِ دینار ہے
ہاں مگر سُن لیجے میری ایک بات — آپ کا بندہ یہ تابعدار ہے
آپ ہی کی قوم سے ہے یہ غریب — جان و دل سے آپ کا غمخوار ہے
مفلسی کو جو کہا تم نے مرض — یہ نہیں اصلا مرض سرکار ہے
حق کی جانب سے سزا ہے قوم کو — قدرتی لعنت ہے اور پھٹکار ہے
چھوڑ دو گر آج کے دِن تم نفاق — زر سے مالامال سب گھربار ہے
دولتِ عظمیٰ ہے جو ہے اتفاق — پاس جس کے ہوگا یہ سردار ہے
فکر کرکے اُس کو حاصل کیجئے — دوسری جو فکر ہے بیکار ہے
ہو جو آپس میں تمھارے اتفاق — وہ ہی دُھن دولت کا پھر مختار ہے
قوم کی عزت کا اِس پر حصر ہے — یہ ہی طُرّہ زینتِ دستار ہے
مُلک کو تسخیر کرلو گے ابھی — یہ تمھارا مونس و غمخوار ہے
آئے گا دشمن نہ غالب آپ پر — ایسی جوہر دار یہ تلوار ہے

گنجِ قاروں سچ جو پوچھو ہے یہی — قدر اسکی جو کرے اوتار ہے
جو کوئی اِس مے کا پی لے ایک گھونٹ — وہ بہت زیرک ہے اور ہشیار ہے
کیجیئے میری نصیحت کو قبول — یہ اگر نعمت تمھیں درکار ہے
مفت دیتا ہوں تمھیں لے لو اسے — یہ بڑی دولت مرے سرکار ہے
لیجیئے اور دیجیئے ہر دوست کو — مُلک کو اس وقت یہ درکار ہے

شادؔ رکھے گا خدا دارین میں
یہ دعا میری جو ہے اسرار ہے

غزل

مادرِ گیتی سے جب پیر و جواں پیدا ہوے — دھوم تھی دو دن کی خاطر میہماں پیدا ہوئے
حکم اسکا نام ہے قدرت اسے کہتے ہیں سب — کُن کہے کہتے ہی یہ سب کون و مکاں پیدا ہوئے
خاک کے پتلے ہیں لیکن حوصلے رفعت پسند — شان دیکھو اس زمیں سے آسماں پیدا ہوئے
بات کی موسیٰ سے کسنے لَن ترانی کیوں کہا — گو نگو کار از بھتا پر راز داں پیدا ہوئے

شادؔ کیا ہی شادماں تھے خاتمِ پیغمبراں
جب حسین ابنِ علی جانِ جہاں پیدا ہوئے

۴- جولائی ۱۹۱۳ء / م ۲۹- امرداد ۱۳۲۲ف

آج میں ۱/۲ ، بجے کی ٹرین میں مع محلات و ہند و اسٹاف ہردوار کے اشنان کرنے اور مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

مہاراجہ کشمیر نے میرے تار کے جواب میں اپنی کوٹھی میں قیام کرنے کی مجھے اجازت دیدی تھی چنانچہ محلات کو اُسی میں اُتارا گیا۔ بڑی رانی، چھوٹی رانی، والدہ عثمان پرشاد اطال اللہ عمرہٗ اور میرے اکثر عزیز مستورات نے کوٹھی کے اندر والے گنگا کے حصہ میں اور میرے اسٹاف کے ہندو مصاحبین وغیرہ نے ہر کی پیڑی میں اشنان کیا میں نے بھی ایک غوطہ لگایا۔

یہ شہر یا قصبہ جسے ہردوار کہتے ہیں۔ گنگا کے کنارے پہلا شہر اور اہل ہنود کا بہت پُرانا مشہور تیرتھ ہے۔

یہاں کے تمدنی حالات اور روزمرہ کے حالات لکھنے میں مجھے خوف ہے کہ میرے ہندو بھائی اعتراضات کا نشانہ نہ بنائیں۔ مگر کچھ حالات لکھتا ہوں۔ ریل سے اُترتے ہی پنڈوں کے غول جاتریوں کو آگھیرتے ہیں اور ہر ایک سے یہی پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے اور آپ کا پنڈا کون ہے جاتری جواب دیتے دیتے عاجز آجاتے ہیں کیونکہ ایک غریب جاتری کے اوپر ہزاروں پنڈوں کی بوچھار ہوتی ہے۔ آخر جب تک وہ ہر ایک سے اپنے پنڈے کا نام نہ بتلادے یا اِنھیں میں سے کسی کو اپنے ہمراہ نہ لے چھٹکارہ محال ہوتا ہے۔ اب تھوڑے دِن سے بہت آدمی یہ کہکر البتہ بچ جاتے ہیں۔ کہ ہم تو آریہ ہیں اور گوروکل دیکھنے آئے ہیں۔ گوروکل کے نام سے تو اُن کے پتنگے ہی لگ جاتے ہیں۔ یہ پنڈے دن نکلتے ہی بعض ریل میں اور بعض پیدل ہردوار میں آداخل ہوتے ہیں اور غروب آفتاب کے قبل یا کچھ بعد جوالاپور یا کنکھل وغیرہ میں

جو ہردوار کے مضافات میں واقع ہیں چلے جاتے ہیں۔ اسکا سبب علّام الغیوب ہی جانتا ہے۔ بعض لوگوں کے اسکا سبب پوچھنے پر بعض نے جواب دیا کہ چونکہ یہ لوگ دن بھر میں جاتریوں سے اچھی خاصی رقم وصول کر لیتے ہیں اور اسکو ناجائز اور بُرے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ بہت سے اِن میں بام مارگی بھی ہوتے ہیں لہذا جس گنگا پر کماتے ہیں اُسی پر گناہ کرنا زیادہ معیوب سمجھکر رات کو یہاں نہیں رہتے۔ نیز یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ گنگا ماتا ناراض ہو کر کہیں سراپ نہ دیدے۔ کوئی کہتا تھا کہ انھیں گنگا کا سراپ ہے کہ رات کو میرے کنارے نہ رہو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ مگر ایک پنڈے سے کسی نے پوچھا اُسنے ایک معقول جواب دیا اُس نے کہا کہ ہم بھی گرہستی ہیں۔ بیوی بچّے سب ہی کچھ رکھتے ہیں۔ ہم جس گنگا کا دان کھاتے ہیں اُس کے استھان پر رہکر بھوگ بلاس نہیں کرتے۔ دوسرے ہردوار جیسی تنگ جگہ میں اتنے لوگوں کے رہنے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں پنڈونکی تعداد تقریبًا چار پانچ ہزار کے قریب ہے یہ سب جاتریونکی بدولت اپنا گذارہ کرتے ہیں۔ جب کوئی جاتری ان سے دق ہو کر کہتا ہے کہ بھائی جاؤ محنت مشقت کر کے کھاؤ۔ ناحق لوگوں کو نہ ستاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمسے محنت نہیں ہوتی۔ ہمارے باپ دادا نے کبھی محنت یا نوکری نہیں کی ہمتو گنگا مائی کے نوکر ہیں اُسی کی ٹہل کر کے کھاتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ یہ گنگا مائی کی کونسی ٹہل کرتے ہیں۔ گھاٹ چندے سے بنے ہوئے ہیں صفائی وغیرہ کا سب انتظام سرکار

کی طرف سے ہوتا ہے۔

سرکار ہی نے ہر کی پوڑیوں کے آگے جو تعداد میں پچیس ہیں گھاٹ بنوا دیئے ہیں۔دریا کی تہ میں پکا فرش لگوایا ہے اور بند باندھکر پانی قابو میں کر کے لوگوں کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔پنڈوں نے تو یونہی گنگا کو اپنا مال سمجھکر ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے۔بہت سے آدمی ہردوار میں جاکر سونا چاندی اور کپڑہ وغیرہ پُن کر کے پنڈوں کو دیتے ہیں۔بہت سے ساہوکاروں اور راجے مہاراجاؤں نے گنگا کے کنارے اور وسط شہر میں مختلف مقامات پر مکانات اور حویلیاں بنوا کر مہنت لوگوں کی نگرانی میں دیدی ہیں کہ جاتری لوگ آرام پائیں اور یہاں بآرام تمام قیام کر کے اپنے مذہبی فرائض بجا لائیں مگر یہ لوگ جاتریوں سے اُس رقم سے دس بیس حصہ زیادہ رقم وصول کر لیتے ہیں۔جتنی کرایہ میں دیسکتے ہیں اگر موقع ملتا ہے تو جاتریوں کا مال بھی چوری کرا دیتے ہیں۔ان میں سے بعض بڑے مالدار ہوتے ہیں اور کئی کئی عورتیں بھی رکھتے ہیں۔

ہردوار گو چھوٹا سا شہر ہے مگر بارونق ہے۔ہندوستان کے ہر صوبے و ہر گوشہ سے ہر قوم کے ہندو یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔اسی لئے ہر روز نئے آدمی نظر آتے ہیں یہاں کا بازار نہ ایسا کشادہ ہے جیسا کہ بڑے بڑے شہروں کا ہوتا ہے۔نہ ایسا تنگ ہے جسمیں گاڑی گھوڑا نہ جاسکے۔سڑک کنکر کی ہے۔یہاں کرایہ کی گاڑیاں بھی ملتی ہیں مگر پہیّہ کا چلنے میں سڑک پر اُسکی آواز کانوں کے پردوں کو ناقابل برداشت تکلیف دیتی ہے۔جب گاڑی چلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو طاشہ مرفا بج رہا ہے یا انہد کا باجا۔یہاں

زیادہ تر مالا کنٹھی جنیو۔ دھوتی۔ انگوچھے۔ پتھر کی کٹوریاں اور گنگا جلیوں کی دوکانیں ہیں۔ یہاں سبزی کی افراط ہے اور دودھ دہی بھی اچھا ملتا ہے۔

گنگا کا جل نہایت صاف ستھرا اور ٹھنڈا ہے دریا پر دور تک پتھر کا پلیٹ فارم بنا ہوا ہے جس پر سیٹھ للتا پرشاد پیلی بھیت والوں کی طرف سے اندھیری راتوں میں روشنی کا قابل تعریف انتظام ہے۔ یوں تو ہر کی پوڑی پر بارہ مہینے ہی رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ مگر جب کوئی پرب کا دن ہوتا ہے تو زیادہ بھیڑ بھاڑ ہو جاتی ہے اور کنبھ کے میلے پر جو بارہ سال میں ایک دفعہ آتا ہے جاتریوں کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

یہاں سے چند میل کے فاصلے پر کانگڑی میں آریہ سماج کا گروکل ہے۔ یہاں بال برہمچاری ودیا کی تعلیم دیجاتی ہے اور اسکا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے ہردوار کے آس پاس بھیم۔ گودر۔ سورج کنڈ لنگڑا ہنومان بھیروں۔ نارائن سلا۔ منادیوی۔ ماناد یوی۔ درگا کا مندر۔ سرون ناتھ وغیرہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے تیرتھ ہیں۔ اور رکھی کیش جو ہردوار سے قریب ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے۔ سب سے عمدہ جگہ ہے یہ ایک چھوٹا سا سر سبز اور شاداب پہاڑ ہے جس پر قسم قسم کی جڑی بوٹیاں ہیں ہزاروں سادھو یہاں درویشانہ باطنی تعلیم پا کر حکومت باطنی کا ڈپلوما حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ یہاں سے کوہ ہمالیہ کے دامن تک مسلسل چلا گیا ہے جسمیں ہزاروں ہندو مسلمان درویش فیض باطنی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ موسم سرما میں خصوصاً رکھی کیش کے پہاڑ پر سادھوؤں کا بڑا ہجوم رہتا ہے کیونکہ یہ موسم یہاں پر نہایت دلچسپ و پر فضا ہوتا ہے۔ برسات میں سنا جاتا ہے کہ یہاں سانپ بکثرت ہو جاتے ہیں اور بندروں کا تو یہاں اور ہردوار دونوں ہی

جگھ ایک عظیم الشان شہر ہے۔ ہردوار و رکھی کیش میں آنیوالے جاتریوں کو بہت دق کرتے ہیں۔ دونوں جگھ جاتریوں کے واسطے کئی دھرم شالے بنے ہوئے ہیں۔ رکھی کیش سے ۳ میل آگے لچھمن جھولا ایک بڑی پُر فضا جگھ ہے۔ دریا پر ملنے والا پل بندھا ہے مگر افسوس ہے کہ وہاں تک میں نہ جاسکا۔ راستہ بارش کی وجہ سے خراب ہوگیا تھا۔ ہردوار اور کنکھل دونوں جگھ گنگا میں دن رات مُردوں کے پھول یا استھ ڈالے جاتے ہیں اور اکثر لوگ اِن ہڈیوں میں کچھ چاندی سونا بھی ڈالتے ہیں جسے اوّل تو اچارج دریا میں ڈالنے سے پہلے ہی نکال لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی جلدی کرکے ڈالدیتا ہے۔ تو یہ لوگ چھینکوں سے ہڈیاں نکال کر پانی میں دھودھوکر بعد میں نکال لیتے ہیں اور دن بھر پانی میں گھُسے ہوئے پانوں سے ہڈیاں مَل مَل کر کچھ نہ کچھ نکالتے ہی رہتے ہیں۔ آہ اِن سنگدلوں کو کبھی بھی یہ خیال نہیں آتا کہ جنکو ہم پانوں سے روندرہے ہیں معلوم نہیں کہ اِن میں کِن کِن اُمرا۔ وزرا۔ راجہ۔ مہاراجہ۔ عالم۔ فاضل۔ شاعر۔ مصنّف۔ حکیم۔ وکیل۔ جج۔ امیر۔ غریب۔ درویش۔ صاحبِ باطن کے استھ ملے ہوئے ہونگے کیا اِن کو یہ دوہا بھی نہیں یاد آتا ؎

ماٹی کہے کمہار سوں تو مت رونڈے موئے
اکدن ایسا ہوئیگا میں رونڈونگی توئے

مستورات جب اپنے مذہبی فرائض سے فارغ ہوچکے اور میں نے بھی یار کے جلوے اِن آنکھوں سے دیکھکر آنکھوں کو نورِ دلکو سرور بخشا تو مع چھوٹی رانی اور بیگمات کے

ڈیرہ دون کو واپس ہوا۔ بڑی رانی اور میری نانی صاحبہ کو اس لئے وہاں چھوڑ آیا کہ بڑی رانی کی طرف سے جو برہم کھبج اور بھنڈارہ سادھواں کا ہونے والا تھا نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے مجھے بلحاظ مذہبی فرائض کے وہاں رہنے کو کہا مگر میں بمصداق ؎

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ڈیرہ دون کو واپس چلا آیا۔ اور اُن سے دوسرے روز آنے کا وعدہ کیا۔ رانیوں اور نیز مستورات نے اُسی کوٹھی میں قیام کیا۔

۵۔ جولائی ۱۹۱۳ء
م ۳۰۔ امرداد ۱۳۲۲ ف

صبحکو چھوٹی حاضری سے فارغ ہو کر مع مصاحبین اسٹیشن پر آیا اور وہاں سے پھر ہردوار میں آکر کوٹھی میں پہونچا۔ چونکہ ہردوار کے تمام سادھوؤں کو آج بھنڈارہ دیا جانیوالا تھا اس لئے میں کنکھل چھوٹے اکھاڑے میں گیا۔ ہندو اسٹاف میرے ساتھ تھا۔ آج چھوٹے بڑے اکھاڑوں کے سادھوؤں اور مہنتوں کی دعوت کے علاوہ (۲۵) مُہر انگریزی اور چھ جوڑ دوشالے اور (۵۰۰) روپے مختلف مہنتوں اور سادھوؤں کو دیے گئے۔ بعض مہنتوں سے جو امرتسر سے آئے ہوئے تھے ملاقات کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر بہار مل کھتری کے مکان کو گیا جہاں جگناتھ پرشاد ساکن جگادھری سے ملاقات ہوئی بڑے اکھاڑے کے بھی درشن کیے یہاں کا انتظام اچھا نہیں ہے۔ البتہ چھوٹے اکھاڑے کا انتظام نہایت سلیقہ کے ساتھ ہے۔ وہاں کے مہنت جاتریوں کے اداشناس منکسر ہوشیار اور محنتی شخص ہیں۔ چونکہ وقت تنگ تھا اسلیے

رانیوں اور نیز تمام ہندو اسٹاف کو اسٹیشن پر آجانیکا حکم بھیجکر میں اسٹیشن کو واپس ہوا۔
اور اسٹیشن پر دو تصویریں واٹر کلر کے پینٹ کئے اور ۳ بجے کی گاڑی میں سب کو ساتھ
لیکر ۵ بجے دیرہ دون میں داخل ہوا۔

۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء
م ۔ ۳۱۔ امرداد سنہ ۱۳۲۲ ف

آج میں بہت سویرے خواب سے بیدار ہوا۔ صبح کا سُہانا سماں پہاڑوں کا دلچسپ نظارہ اور اُسکی سینیریوں سے دلچسپی حاصل کر رہا تھا۔ چند حصّوں کو واٹر کلر میں پینٹ کیا۔ صناع قدرت کی گُل کاریوں اور کرشمہ کاریوں کو دیدۂ دل سے دیکھ رہا تھا کہ ہردوار کا خیال آگیا۔

سمندِ شوق پر اک اور تازیانہ ہوا

ایک مضموں لکھا۔ جو ہدیۂ ناظریں ہے۔

ہردوار

مکّے میں ہردوار میں تو ہی ہے — اور نور میں اور نار میں تو ہی ہے
دونوں عالم میں ہے نظارہ تیرا — ہر ہر گھٹ ہردوار میں تو ہی ہے

اے ہردوار تجھے پرنام ہے۔ یا یہ کہوں کہ سلام ہے۔ میرے اِس عقیدتمندانہ تحفہ کو قبول کر۔ بہت دنوں سے تیرے درشنوں کو من ترستا تھا۔ بڑی اَبلاکھا تھی اے ہردوار تو ازلی مقدس مقام ہے۔ تقدّس اور بزرگی کا سہرا ابتدا سے قدرت کے ہاتھوں سے تیرے سر پر باندھا گیا ہے مگر بھاگیرتی کی بدولت تیری برکتیں مشک

کی طرح تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تیرے جاترائی تیرے درشن سے مبارک اور کامیابی کے شگون پاتے ہیں چاروں برنوں کو تجھ سے دلی عقیدت اور محبت اور اپنایت ہے۔ دشتِ غربت کے مسافر تیری زمین پر ہی چھاؤنی چھاتے ہیں۔ بڑے بڑے رشیوں نے گھنے اور کوہی جنگل میں دھونی رما کر تیری سرزمین پر اپنی عمریں بسر کیں اور انکی خاک تجھ میں ملادی گئی۔ بڑے بڑے چکرورتی مہاراجے اپنی مُکتی کی اُمید میں تیرے دوار پر بھکاری بنکر پڑے رہے اور دان پُن کے ذریعے سے بہت کچھ تجھے بھینٹ چڑھائی اور تیرے کارن جو کچھ اُن سے بن سکا اسکو کیا۔ تجکو گنگا مائی کا شکرگذار ہونا چاہیئے اور اُسکی جے منانی چاہیئے۔ جس کے کارن کئی جُگ سے اِس جُگ میں مان پان ہو رہا ہے۔ اخّاہ۔ بھاگیرتی کو دیکھو کہ وشنو لوگ یعنی ہر کے دوار سے اسکو اجازت ملی ہے کہ اِس سرزمین سے بہتے ہوئے اپنے مبدء سے جا کر ملے اسلئے اِس سرزمین کا نام ہردوار رکھّا گیا ہے۔ اُس پرماتما کا کتنا بڑا احسان اور کرم ہے کہ ایک عُنصر آبی کو وہ شرف اور عزّت بخشی کہ ایک مقدس قوم بنی آدم سے اسکی پرستش کرتی چلی آتی ہے۔ اور کرتی جائیگی۔

اگرچہ اسکے پانی کی حقیقت اور دوسرے دریا۔ کنوئیں کی ماہیت بالکل ایک ہے مگر اُسکو وہ شرف ملا ہے جو اُسکے ہمعصروں کو نصیب نہیں اِس سے نہ صرف زراعت ہوتی ہے اور نہ بنی نوع انسان کے سوکھے حلق تر ہوتے ہیں بلکہ وہ درخت فیضیاب ہو کر شاداب ہوتے ہیں جو اسکے کنارے ایک پانوں پر کھڑے ہوئے کوئی ایک صدی

کوئی نصف صدی کوئی رُبع صدی سے نرانکار جوتی سروپ کے دھیان میں اسقدر
محو ہو گئے ہیں کہ اُنکو اصلا اپنی خبر نہیں۔ہاں کبھی کبھی ہوا کا جھونکا اُن کو ہوشیار کر دیتا ہی
تو یہ چونک کر خدا کی یاد میں جھومنے لگتے ہیں۔ دامنِ کوہ میں ایک گھنا جنگل پناہ گزیں ہے
اور چھوٹے پودے بچوں کی طرح اِن پہاڑونکی گود میں ہوا سے کھیلا کرتے ہیں اگرچہ انکو
بھاگیرتی کے فیض جاریہ سے ایک چلو بھی پانی نہیں ملتا لیکن قدرت کا ابر کرم ہر وقت
انکی پرورشی کی خبر لیتا رہتا ہے۔انکی شان اور آن بان اور ہی ہے گو اِن میں سے
بعض نے لبِ دریا اپنا مسکن بنایا ہے۔مگر دریا کا اِن پر کوئی احسان نہیں، نہ یہ دریا سے
کبھی ملاقات کرتے ہیں، نہ اسکے مقدس برکتوں سے انھیں کچھ نفع پہونچتا ہے نہ دریا
(بھاگیرتی) کو اِن سے کچھ غرض ہے مگر ہاں ان میں سے بعض درختوں اور پہاڑوں
کا عکس (بھاگیرتی) کے درپن میں اپنی بے نیازی کی شان دکھا کر عالم کو محو حیرت کر دیتے
ہیں۔اے گنگا مائی تیری خاطر کیسی دلوں کے ساتھ وابستہ ہے کہ تیرے کنارے
بڑے بڑے راجے مہاراجوں نے عالیشان مکان اور چھتر اور دیول بنوا کر تیری رونق
کو دوبالا کر دیا اے گنگا مائی دھن ہے تیری عاجزی اور انکساری پر کہ باوجود اسقدر معزز
اور محبوب خلائق اور رشدہ ہونیکے تجھ میں دوئی کی بو بھی نہیں۔تعصب کا نام نہیں۔
تیرا مذہب صُلحِ کُل خدا پر تیرا توکل۔ہر کس و ناکس دوست و دشمن۔برہمن۔چھتری
ویش۔شودر سبکو تو درشن دیتی ہے۔اور سب کو ایکساں فیض پہونچاتی ہے۔اور سب کے
منو کامنا پوری کرتی ہے۔نہ صرف یہی کہ بلا قید ملّت و مذہب تیری ذات سے تشنگانِ

محبت اور عقیدت سیراب ہوتے ہیں بلکہ وہ تجھ میں میلے کچیلے کپڑے دھوتے ہیں اور چرنامرت بنانے کے عوض دوسرے بیجا کاموں میں بھی صرف کرتے ہیں۔ لیکن تیرا دل ایسا پاک وصاف ہے اور تو وہ پکّی موحد اور بے تعصب ہے کہ بجز ان کو نفع پہونچانیکے تو انکی برائیوں کے تدارک کا خیال بھی نہیں کرتی۔ ہاں بیشک یہ اوصاف تجھ میں ایسے پاکیزہ اور ستودہ ہیں کہ ہم تجھے پرنام کرتے ہیں اور آنکھوں سے لگاتے ہیں اچھوں کرتے ہیں۔ مہادیو کو ابھیشیک تجھ سے کرتے ہیں۔ مگر یہ تو بتا کہ کیا تجھ میں بھی شکتی ہے کہ تو پاپوں کے میل کو ایسا دھو دیتی ہے جسطرح کپڑے کے میل کو پاک و صاف کرتی ہے۔ کیا یہ ست مانا جائے کہ جو تجھ میں اشنان کرتا ہے وہ مکتی کو پراپت ہوتا ہے۔ اگر سچ ہے تو یہ اوصاف تجھ میں کب سے آگئے ہیں کیا اس کا جواب نہیں ملے گا۔ ہاں نہیں ملیگا۔ کیونکہ یہ اپنے دُھن کی ایسی پکّی اور اپنے دھیان میں ایسی مستغرق ہے۔ کہ بجز یاد الٰہی کے یہ کبھی کسیکی طرف متوجہ نہوگی۔ اس سے ہرگز جوابِ باصواب کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ اس لئے اے گنگا مائی بعوض اسکے کہ میں عامیوں کی طرح روپے پیسے پھول پھل وغیرہ تیری بھینٹ اور نویدچڑھاؤں میں اپنے دلی جذبات اور خیالات ان کے معاوضہ میں تیری بھینٹ کرتا ہوں خواہ تو اسکو قبول کر یا نکر مگر ہاں میں جانتا ہوں کہ تو ایسی رحمدل اور بھگتوں کی محب ہے کہ تو ضرور میری اس ناچیز بھینٹ یا نذر کو قبول کرے گی۔

میں پہلے اُس پرماتما نرانکار جوتی سروپ کو نمشکار یا سجدہ کرتا ہون جو الکھ ہے

اور جسکی شان یہ ہے نر بھو نر ویرا کال مورت اور تعینات حسی سے منزہ اور مبرا ہے اور ایک ذات تعین اور ہست مطلق سب سے اعلیٰ نہایت پاک قدیم پیدائش و فنا سے آزاد اور محیط ہے اور سرپ بیاپکی ہے اور سب سے نیارا کل کائنات فنا ہو جائے گی۔ مگر اُسکی ذات ویسی ہی قائم اور برقرار رہیگی اور جس نے سارے کائنات کو تماشاگاہ قدرت بناکر آدم سے لیکر تا ایں دم سب کو محوِ حیرت بنا دیا ہے۔ اُسی کی قدرت نے یہ عزت عطا فرمائی ہے۔ میں بہت دنوں سے تیرا نام سنتا تھا بمصداق۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

آج میں تیرے اشنان کے لئے آیا ہوں اور تیرے درشن سے آنکھوں کو روشن کرنا چاہتا ہوں مگر اے بھاگیرتی میں تجھے صرف گنگا سمجھکر پرنام نہیں کرتا بلکہ تجھے اُسکا سروپ سمجھکر پرنام کرتا ہوں جسکی تو مظہر ہے اور جس کے جلوۂ قدرت کا ایک ظہور ہے۔ تجکو میں اس لئے مقدس سمجھتا ہوں کہ بڑے بڑے مقدس مہاپرشوں نے جنھوں نے اپنے کو اُس کی ذات میں فنا کر دیا تیرا اشنان کر کے اپنے پاک روحانی اثر سے تجکو مقدس بنایا ہے تجھے مَیں دراصل پاپ ناشی نہیں کہتا۔ مگر ہاں جنکے وجود پاپوں سے پاک تھے اور جن کے کرموں کی صفائی اور پاکی دوسروں کے پاپ اور دل کے میل کو صاف کرنیکے لئے صیقل گر سمجھی گئی تھی ان کے پاک وجود کا اثر جو تجھ میں ہے اور رہیگا وہ ضرور میرے دل کے میل کو دور کر سکے گا اور مجکو پاپوں سے

نجات دینے کے لئے شافع ہو گا۔

آب میں اِس دھیان سے کہ اسکی ذاتِ پاک میں اپنی ہستی کو نیست کر کے اُس کی ہستی کو باقی سمجھکر غوطہ لگاتا ہوں۔ آب میں اشنان سے فارغ ہوا۔ اب اسی پربھو کا دھیان کر کے گایتری کا جاپ کرتا ہوں جس گایتری کے یہ معنی ہیں۔

ترجمہ پرماتما جو کل مخلوقات میں جلوہ گر ہے اور پرستش کے قابل ہے اس پیدا کنندہ کا نور سب جانوں میں جلوہ گر ہے۔ ہم فرماں بردار خلوص عقیدت سے یقین کرتے ہیں کہ جو ہمارے حواس خمسہ اور دل اور عقل میں ہیں اُنکو تو اپنی ذات پاک کی طرف رجوع کر۔ اے بھاگیرتی آب میں اپنی جاترا سے فارغ ہو چکا تیرے درشن بھی کر لیئے اور وحدت کے تماشوں کو اِن آنکھوں سے کثرت کے انوار میں دیکھکر محوِ حیرت بنگیا ہوں۔ بے شک مجھے اے بھاگیرتی تیرے اشنان کا مزا آیا اور مسرتِ بے اندازہ حاصل ہوئی۔ سب عقیدت مند تجکو خالق سمجھکر اپنی مرادیں تجھ سے مانگتے ہیں مگر میں تجھے مخلوق سمجھتا ہوں اسلئے میں تجھ سے کچھ مانگنے کی تمنا نہیں رکھتا البتہ میں تیرے کنارے کھڑے ہو کر اُن مہاتماؤں کو جن کے طفیل میں تجکو یہ عزت حاصل ہوئی ہے اپنا وسیلہ گردان کر اپنے داتا سے دعا کے الفاظ میں یہ مانگتا ہوں کہ اے پربھو مجھے کمالِ معرفت نصیب کر۔ عرفاں کی آنکھ دے۔ عشق کی شراب پلا کہ میں توحید کی مستی۔ دل میں تیرے عشق کا سوز اور سوز میں اثر دے۔ میرے دل کو اس بھاگیرتی کے

شفّاف پانی کی طرح دوئی کے میل سے صاف کردے اور میرے پاپوں کو اپنے
بارانِ رحمت سے دھو ڈال جس طرح بدری نارائن کے برفستانی پہاڑ کا سرد پانی
اس کی اس سوزشِ غم کو جو مبدء سے مفارقت کے باعث بھڑکی ہوئی ہے فرو کرتی ہے
اسی طرح تو اپنے مہر کے فیض سے میرے جلے ہوئے دلکو ٹھنڈک پہونچا اور سیتل کردے
اور ماسوی اللہ سے اسطرح پاک وصاف کردے جیسا کہ تونے اس گنگا کو خس و خاشاک
سے پاک وصاف کیا ہے مجھ میں اے پربھو ادھنتائی دے جیسا کہ اس دریا کو تونے
عطا فرمائی ہے کہ برے بھلے پاپی۔ کنشٹ برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر۔ سب کو یہ ایک
سمجھتی ہے ایک دیکھتی ہے اور سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتی ہے۔ ویسے ہی میرا
من بھی ہو جائے۔

اے داتا جس طرح اسکو تونے فیض پہونچانیکے لئے پیدا کیا ہے۔ مجھ جیسے ناقص
غریب مخلوق سے تو اپنے مخلوق کی اطاعت لے اور مجھے خدمتگذاری کی عزّت دے۔
میں جبتک زندہ ہوں تیری عبادت اور مخلوق کی اطاعت میں فرق نہ سمجھکر ہر وقت
ہر دم اسطرح تیری عبادت کروں کہ اپنی ہستی کو تیری ہستی کے نذر کردوں مجھ میں
کوہِ ہمالیہ کی طرح استقلال دے کہ تیری بلاؤں پر صابر رہکر تیری نعمتوں کا شکر گذار
ہوں۔ جسطرح دریا کا پانی خس و خاشاک کو بہا دیتا ہے۔ ویسے ہی میرے دل سے
کدورت۔ بغض۔ حسد۔ کینہ۔ رشک۔ تعصب۔ عُجب و نخوت اور غرور کے خس و خاشاک
کو اپنے دریائے کرم کی موج سے بہا دے۔ اے بندوں کے پالنے والے دین دیال

جسطرح اسکی فیض آبیاری سے تونے سوکھے جنگل سرسبز اور شاداب کردیے ہیں اُسی طرح میری اولاد کو سرسبز و شاداب کردے اور میری بیل اپنے فیض آبیاری سے سوکھنے نہ دے تتھاستو۔ آمین ثم آمین۔

اے بھاگیرتی تونے بڑی کرپا کی کہ اتنی دیر تک میں نے تیری سمع خراشی کی اور تونے دھیان لگا کر میری کہانی سُنی۔ میں تیرا شکرگذار ہوں۔ چونکہ اب تجھ سے شناسائی ہوگئی ہے اور تیری محبت نے میرے من میں جگہ پائی ہے اور تیرا پانی پیا ہے اور تیرا پرشاد لیا ہے اس لئے تیرا احسان مجھے ماننا چاہیئے اب مجھے اگیا دے اگر بھگوان نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو میں کُنبھ کی پربھی کو آکر پھر تیرے درشن کروں گا۔

۲۷- جولائی ۱۹۱۳ء م۔ یکم شہریور ۱۳۲۲ف آج میں اپنے دو مصاحبین کے ساتھ ڈیرہ دون کے بعض مقامات دیکھنے اور عام طور پر اُسکی سیر کرنے کی غرض سے گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ مختلف مقامات کی سیر کرتا ہوا چاء کے کھیتوں کی طرف نکل گیا جہاں چاء تیار ہوتی ہے۔

میں اُس مقام کو دیکھنا چاہتا تھا جہاں چاند سورج کے عکس اُتارے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں میں ایسا کوئی شخص میرے ساتھ نہ تھا جو اس قسم کی چیزیں مجھے دکھلاتا۔

یہاں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ دہلی کا بنوایا ہوا سکھوں کا بڑا بھاری گوردوارہ ہے

جوجہانگیر کے مقبرہ کا گویا جواب ہے۔ اسے عوام الناس جھنڈا صاحب کہتے ہیں۔ اسمیں اندر باہر دو تالاب ہیں۔ بیرونی تالاب بہت بڑا ہے جس میں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ اسپر ہر سال بڑا بھاری میلا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے یہ علاقہ گورورام کو عنایت فرمایا تھا اور گوردوارہ ان کے رہنے کے لئے بنوایا تھا گورورام رائے نے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں اس شہر کو بسایا۔

ڈیرہ دون سے مسوری جو قریباً ۱۲ میل ہے۔ راجپور تک جو ڈیرہ دون سے ۷۔۸ میل ہے۔ ٹمٹم یا تانگہ جاتا ہے۔ اور وہاں سے گھوڑے یا ڈولی میں جاتے ہیں۔
مسوری شملہ سے دوسرے درجے پر نہایت پرفضا خوش منظر اور شاداب پہاڑ ہے۔
مسوری کی آب وہوا نہایت دلپذیر اور نظارہ ایسا دلفریب ہے کہ دیکھنے سے جی سیر نہیں ہوتا۔ یہاں سے کوہ ہمالیہ کی برفستانی چوٹیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اور ۳۰ میل کے گھیرے میں رانی کھیت اور چکروتہ کے پہاڑ ہیں۔ مسوری سے ۱ میل نیچے وزیر نیپال کا بنگلہ دیکھنے کے لائق ہے۔

۸-۹- جولائی سنہ ۱۹۱۳ء م ۲۳-۲۴- شہریور سنہ ۱۳۲۲ ف	ان دو روز دن میں معمولی کاموں کے سوا کوئی نیا کام نہیں ہوا۔
۱۰- جولائی سنہ ۱۹۱۳ء م ۲۵- شہریور سنہ ۱۳۲۲ ف	آج میں چھوٹی حاضری سے فراغت پا کر اپنے مصاحب راجچند پرشاد کو لیکر گوردوارہ رام رائے کے درشن

کو گیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ چونکہ آج شام کو یہاں سے امرتسر کیطرف روانہ ہونیوالا تھا

اس لئے دوپہر کے بعد سے ساماں کی درستی میں رہا۔ اور چھ بجے شام کے اسٹیشن پر آیا۔ سیلون اور بوگیوں اور ڈبوں کا انتظام پہلے سے کیا جاچکا تھا ۱/۲ ۹ بجے شب کے دیرہ دون سے روانہ ہوا۔ سوا گیارہ بجے گاڑی ہردوار کے اسٹیشن پر پہونچی۔ میں نے اپنے ڈبوں کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور شب کو وہیں رہا صبح کے ۸ بجے رامچندر پرشاد تُلجا رام۔ رام راؤ اور دو خدمتیوں کو ساتھ لیکر گنگا پر آیا۔ اللہ اللہ یہ وقت بھی کیا سُہانا وقت ہوتا ہے۔ مجھے اس وقت سیّد صادق حسین غبارؔ کے قصیدہ کے کچھ اشعار یاد آگئے۔ ایک وقت اُنھوں نے ایک قصیدہ نعتیہ میرے پاس بھیجا تھا جسکی تشبیب میں اس پُر فضا وقت کی نہایت موثر الفاظ میں تصویر کھینچی تھی۔ اِس قصیدہ کے کچھ اشعار وقت کی مناسبت کے لحاظ سے حوالہ قلم کرتا ہوں۔

نقاب اُلٹتا ہے چہرہ سے خسروِ خاور — کہو یہ لیلیٰ شب سے کہ اوڑھ لے چادر
ہے وقت پچھلے پہر کا سکونِ غم کا وقت — خدا کی قدرتِ کامل کا دلکشا منظر
سماں بندھا ہوا جوشِ بہارِ قدرت کا — سکوت چھایا ہوا ممکناتِ عالم پر
گھروں کے بند ہیں دروازے سب دُکانیں بند — چہل پہل ہے نہ ہنگامہ ہے نہ شور و شر
پرند سوتے ہیں سب اپنے آشیانوں میں — چرند تھان پہ بیٹھے ہوئے جھکائے سر
تمام خلق کو گھیرا ہے خوابِ غفلت نے — گماں ہے شہرِ خموشاں کا سارے عالم پر
ہر ایک شے پہ سیاہی کا رنگ پھیلا ہے — سیہ ہیں ارض و سما و جبال و بحر و بر
چمک رہے ہیں جو تارے قیاس کہتا ہے — فلک کی نیلی قبا میں ٹکے ہوئے ہیں گُہر

چراغِ ماہ کی بھی روشنی ہوئی مدھم
ہے وقتِ برہمیِ صحبتِ مہ و اختر

بلاکشانِ شبِ ہجر سے کوئی پوچھے
کہ رات تمنے گذاری ہے یا رب کیونکر

خیالِ خوابِ پریشاں تھی شبکی بیداری
لگی تھی آنکھ ہوئی انتظار میں جو بسر

وداع ہوتے ہیں دیکھو وہ شادکامِ وصال
نکل چکی ہے مگر حسرتِ دلِ مضطر

اِدھر ہے شوقِ تمنا اُدھر ہے شرم و حجاب
نیاز و ناز کی ہیں صحبتیں یہ پچھلے پہر

اشارے ہوتے ہیں رخصت کے آنکھوں آنکھوں میں
اِدھر کی آنکھ اُدھر ہے اُدھر کی آنکھ اِدھر

مسافر اُٹھے ہیں پچھلے پہر کی خنکی میں
کمر کو باندھ رہے ہیں لپیٹ کر بستر

وہ شبکی ہلکی سیاہی سحر کی ضو وہ سپید
وہ اِک سے ایک کی رخصت کا دلکشا منظر

شفق کے رنگ میں آمیزشِ سپیدۂ صبح
عروسِ وقت کے تن پر تھا قدرتی زیور

جُھکا وہ جانبِ مغرب سرِ مہِ کامل
چلا وہ آنکھیں جھپکتا نجوم کا لشکر

فلک کا چار پہر میں کیا ہے دورہ ختم
ہے شب کے جاگنے کا بار انکی آنکھوں پر

وہ نکلا صبح کا تارہ وہ رات ختم ہوئی
سفیدہ صبح کا تھا روئے لیلیِ شب پر

نمازِ صبح کو اُٹھنے لگے نماز گذار
جُھکے ہیں سجدۂ معبود میں تمام شجر

وظیفۂ سحری میں ہیں سب کے سب مصروف
بلند و پست و جبال و بحار و دشت و در

نظر فریب سُہانا وہ وقتِ صبحِ بہار
بھرا ہے کوٹ کے لطفِ خدا کا جسمیں اثر

نسیمِ صبح کے وہ خوشگوار جھونکے سرد
جو گدگداتے ہیں غنچوں کو بیدھڑک آکر

ہنسی جو دیر سے غنچے کئے ہوئے تھے ضبط
تو ہنس پڑے لبِ گلہا ناگ سے وہ کھل کھلکر

دُھلا کے دائیہ ابرِ بہار نے رُخِ گل
پنھا دیا دُرِ شبنم کا قدرتی زیور

سنک جو پائی ہے موجِ نسیم کی اُسدم
تو سبزہ لیتا ہے انگڑائیاں اُٹھا کر سر

سماں یہ دیکھکے مرغانِ نغمہ سنج اُٹھے
سُرونمیں گانے لگے بھیرویں بہدیگر

نسیمِ صبح کی دیکھی جو چالِ مستانہ
نظر بھی لوٹ گئی فرشِ سبزۂ تر پر

شجر نہال تھے موجِ صبا کی جنبش سے
گلوں کے رُخ پہ تھا رنگِ بہار کا پوڈر

دُرِ خوش آب کا دانہ تھا موتیے کی کلی
نگیں عقیقِ یمن کا تھا لالۂ احمر

نسیم آئی دبے پاؤں صحنِ گلشن میں
کہ بوئے گل کو جو پائے تو لے اُڑے کیسر

بڑے درختوں کی ہلکی سی سنسناہٹ کا
ہوا طیور کی نغمہ سرائیوں پہ اثر

کہ سُر ملا کے گلے بازیاں لگے کرنے
صدا سے تانوں کے تھے وجد میں تمام شجر

ہوا میں گونج رہی ہے جو مرغِ صبح کی تان
تو ایک وجد ہے طاری تمام عالم پر

دہن سے غنچے کے گرتے ہیں قطرۂ شبنم
کہ جیسے دودھ اُگلتا ہے شیر خوار پسر

مذاقِ شبنم و گل میں ہے حسن و عشق کا جذب
اِدھر تو خندہ لبی ہے اُدھر ہے دیدۂ تر

کسے سُنائے کوئی داستانِ بلبل و گُل
مشاہدہ کا تقاضا ہے دیکھ لو آ کر

وہ دیکھو پہلوئے بُلبل میں گل کی خندہ لبی
سُنو وہ زمزمہ سنجیؔ بُلبلِ خود سر

نیاز و ناز کی صحبت میں دخل ہے کسکو
ہوائے صبح بھی آئے تو آئے تھم تھم کر

ہوا پرست چمن جا رہے ہیں گلشن کو
نظر فریب ہے اِسوقت باغ کا منظر

اِس پُر فضا وقت سے دلچسپی حاصل کرتا ہوا پھر میں گنگا کے کنارے آیا اور ہر کی پوڑی پر اشنان کر کے اپنے پانڈے چندی پرشاد بھگوان داس کو پانچ مُہر انگریزی دیکر سو سوا سو برہمنوں کو اپنا مہمان کیا۔ اور دریا کے کنارے اپنے ذکر و اشغال میں مصروف ہوا جو لطف اور سرور مجھے اُس مقام پر خاص پانچ بجے صبح کے سُہانے وقت حاصل ہوا کبھی گھر میں یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ طلوع آفتاب سے پہلے اسٹیشن کو واپس ہوا۔

۱۱۔ جولائی ۱۳۱۹ء
م۔ ۵ شہریور ۱۳۲۲ف

ساڑھے نو بجے یہاں سے گاڑی روانہ ہو کر دو بجے رُڑکی پہونچی۔ یہاں پہونچکر خود بخود دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب اِدھر آئے ہیں تو حضرت علی احمد صابر چشتی پیران کلیر کی زیارت سے بھی مشرف ہو لیں۔ یہ خیال آتے ہی اپنے ڈبے علیحدہ کرا کر قیام کا انتظام کیا اور ۳ بجے کرایہ کی بگھی اور تانگہ منگوا کر اپنے مصاحبین اور خدمتیوں کو ساتھ لیکر پیران کلیر کو روانہ ہوا۔

نہر کے کنارے کنارے ہماری سواری جا رہی تھی۔ نصف راستہ طے کیا تھا کہ ایک پل آیا جس پر ایک گاڑی جا سکتی ہے۔ ایسے ضیق اور مشتبہ راستہ سے بگھی میں بیٹھکر عبور کرنا مناسب نہ خیال کیا اسلئے آخر کنارے تک پیادہ پا گیا۔

اِس پُل کے تیس پینتیس گز نیچے ایک ندی ہے جس کا یہ پُل تھا۔ اِس پل کے ایک طرف اُس ندی پر سے نہر نکالی گئی ہے۔ پُل کے دو طرف جو کٹہرے لگائے گئے ہیں وہ گز سوا گز سے زیادہ اونچے نہیں ہیں اگر گھوڑا شریر ہو تو سوار کی سلامتی مشکل ہے پُل کے اِسطرف پہونچکر پھر گاڑی پر سوار ہوا۔ اور درگاہ حضرت صابر چشتیؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

(۱۱) مہر انگریزی گذران کر درگاہ کے احاطہ میں متولی صاحب سے ملاقات کی جو صحن مسجد میں شطرنجی بچھائے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ بعض حالات دریافت کئے۔ ۱/۲ ۶ بجے اسٹیشن کو واپس آیا۔ اس بارگاہ میں جلالی شان اپنا اثر دکھاتی ہے۔ شب کو اسٹیشن ہی پر رہا ۱/۲ ۷ بجے روانہ ہونے والی گاڑی میں امرتسر کو روانہ ہوا۔

۱۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء
م۔ ۶۔ شہریور سنہ ۱۳۲۲ف

۱/۲ ۷ بجے شام کو امرتسر کے اسٹیشن پر گاڑی پہونچی یہاں بابا ہرگیان دیو۔ بابا ہرسرنداس وغیرہ اور کھتری سوسائٹی کے چند معزز ممبروں نے جنہیں لالہ رتن چند و لالہ سیورام و لالہ شیودت وغیرہ بھی تھے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا اور مجھے پھولوں کے ہار پہنا کر میرے آنے پر اپنی بیحد خوشی کا ثبوت دیا۔ میں نے اپنے ڈبوں کو علیحدہ کرنے کا انتظام کرکے شب کو آرام کیا۔

۱۳۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء
م۔ ۷۔ شہریور سنہ ۱۳۲۲ف

اول وقت بیدار ہوا اور حوائج ضروری سے فراغت پاکر دربار صاحب میں جانے کے لئے تیار ہوا۔ کہ ہرگیان دیو وغیرہ آگئے اور میں اپنے تمام ہندو اسٹاف کے ساتھ دربار صاحب میں گیا۔

میں اس شہر کے تاریخی حالات اور دربار صاحب کی تفصیلی حالت آگے چل کر بیان کروں گا بالفعل میں دربار صاحب میں آیا درشن کئے۔ میرے ساتھ مہنت اور دربار صاحب کے تمام پوجاری اور تماشائی قریب دو تین سو آدمیوں کے تھے یہاں کے درشن سے مستفیض ہو کر بابا اٹل میں اسی مجمع کے ساتھ گیا وہاں کے درشن کرکے دربار صاحب کے سلح خانہ میں گیا۔ ان تمام مقامات کے درشنوں سے فرصت پاکر ۱۱ بجے

اسٹیشن کو واپس آیا

امرتسر لاہور سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر دریائے راوی و بیاس کے مابین واقع ہے سکھوں کے چوتھے گرو رام داس نے اس جگہ پر جو اکبر بادشاہ نے اسے عطا کی تھی اس شہر کی بنیاد رکھی اور ایک تالاب کھدوایا جسے آب حیات کا تالاب سمجھا گیا۔ اسی نام سے یہ شہر اپنا نام اخذ کرتا ہے۔ اس تالاب میں ایک مندر بھی بنوانا شروع کیا جو بعد میں انکے بیٹے نے ختم کیا۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ افغان نے سکھوں کو بالکل تباہ کر کے شہر کو برباد کر دیا مندر کو بارود سے اڑا دیا۔ تالاب کو مٹی سے بھر دیا جب ۱۸۰۲ء میں رنجیت سنگھ نے امرتسر پر قبضہ کیا۔ اسکے چاروں طرف بڑی چوڑی سنگ مرمر کی روش بنائی اور وسط میں ایک خوبصورت سونے کا مندر جسے انگریزی میں گولڈن ٹمپل GOLDEN TEMPLE کہتے ہیں بنایا۔ یہی مندر دربار صاحب کے نام سے مشہور ہے اس مندر کے اوپر نیچے اندر باہر سنگ مرمر کے اوپر موٹا پترا سونے کا چڑھا ہوا ہے جس کے سبب اسکی خوشنمائی میں چار چاند لگ گئے ہیں اسکا عکس پانی میں بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ شب کو یہاں روشنی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دیوالی میں یہاں کی رونق دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دور دور سے لوگ دیکھنے آتے ہیں مندر کے اندر بڑا گرنتھی اور اسکے چیلے باجے کے راگ کے ساتھ گرنتھ کا پاٹ کرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں اندر آکر اپنے نذرانے پیش کرتی ہیں اور گرو گرنتھ صاحب کے سامنے زمین پر سجدہ کرتی ہیں۔ صبح و شام عورتوں کی یہاں زیادہ ریل پیل رہتی ہے جس کے سبب گوردوارہ نمونہ پرستان بنا رہتا ہے۔ کوئی نہانے کو آتی ہے

کوئی دربار صاحب کے درشن کو کوئی نذرانہ چڑھانے کو کوئی سہیلیوں سے ملنے کو کوئی خرید و فروخت کرنے کو۔ ایسی بہت کم عورتیں شہر میں ہونگی جو کسی نہ کسی بہانے سے دن میں ایکبار دربار صاحب کا دربار نہ کرتی ہوں۔ اور حقیقت میں ایکبار باریاب ہونے اور بار بار دیکھنے پر بھی سیری نہیں ہوتی۔ عقیدتمندوں کے خلوص کا اثر اور اُس مقدس گرنتھ اور برگزیدہ مصنف بابا نانک شاہ جن کے اوصاف بیحد ہیں اور دریائے وحدت کے آشنا۔ اور آسمان عرفان کے خورشید مانے جاتے ہیں۔ ان کے دلی جذبات کے اثرات نے اس مقام کو بھی پر اثر بنا دیا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ کسی برگزیدہ بندۂ خدا کا دربار عام ہے۔ اگرچہ عام لوگ صرف بابا نانک شاہ کے خیالی یا قلمی تصاویر تک ہی دید درشن کے مزے لیتے ہیں اور اپنے اظہارِ عقیدت کو یہ ایک ذریعہ بنا رکھا ہے لیکن حقیقت کے جاننے والے اور ذرّے ذرّے میں آفتابِ وحدت کی روشنی دیکھنے والے یہ کہکر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ؎

عاشقاں را چہ کار با تحقیق ہر کجا نامِ اوست قربانیم

گورودوارہ کے متصل گھنٹا گھر ہے جس کے چوگرد ایک عالیشان سنگی چبوترہ بنا ہوا ہے جہاں بیٹھکر لوگ دربار اور بازار دونوں کی سیر کیا کرتے ہیں۔

"بابا اٹل" گوردوارے کے پشت کی جانب ایک مقام ہے جو بابا اٹل کے نام سے مشہور ہے۔ بابا اٹل کی سمادھ کے اوپر ایک اونچا منارہ ہے جس پر چڑھکر تمام شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سمادھ کے باہر بھی کئی جگہ سونا چڑھا ہوا ہے۔ ایک سونیکا

بڑا اونچا کھمبا ہے۔ سمادہ کے آگے ایک باغ بھی ہے جسمیں ہمیشہ سیکڑوں سادھو پڑے رہتے ہیں۔ با با اٹل میں لاکھوں روپئے جمع ہیں جس کے خرچ سے اِن سادھوؤں کو کڑھا پرشاد (حلوا) اور لڈو کھانے کو ملتے ہیں یہ سادھو دن بھر بھنگ۔ چرس اور سُلفہ پیتے رہتے ہیں اور نشہ کی ترنگ میں مگن ہو کر کھاتے ہیں کہ "بابا اٹل پکی پکائیاں گھل"۔ اکثر عورتیں اور مرد جب اِس جگہ آتے ہیں تو بابا اٹل کی سمادہ کے گرد بیٹھکر دروازہ کی چوکھٹیوں کو اسطرح دبایا کرتے ہیں جیسے در اصل بابا اٹل کے پاؤں دبا رہے ہیں امرتسر میں یوں تو اکثر تالاب ہیں لیکن ایک تالاب بہت بڑا اور رچّا ہے یہ عمیق بھی بہت ہے اسمیں مگرمچھ اور پانی کے اور جانور بھی بکثرت ہیں۔ اسمیں ایک کشتی بھی پڑی رہتی ہے جسمیں بیٹھکر لوگ اسکی سیر کرتے ہیں اسکا نام "سنتھوکھ سر" ہے یہ کسی دھوبی نے بنایا ہے امرتسر کے بعض بازار کسی قدر تنگ ہیں مگر بارونق ہیں ہر قسم کی چیز یہاں ملتی ہے یہ شہر پنجاب میں کپڑے کی تجارت کا مرکز ہے یہاں کے خاص اشیاء ساخت کشمیریوں کے شال ہیں۔

یہاں پر رام باغ، نکلس پارک، اچیسن پارک، قیصری باغ، (اسمیں ملکہ وکٹوریہ کا سنگِ مرمر کا بُت بھی ہے) اور خالصہ کالج قابلِ دید مقامات ہیں۔ شہر کے باہر ۳ میل کے فاصلے پر قلعہ گوبند گڑھ بھی نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ آج ہی کی شب دربار صاحب میں میرا اتمام زنانہ اسٹاف درشن کو گیا۔

۱۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء م۔ ۹ شہریور سنہ ۱۳۲۲ف	آج بھی میں اسٹیشن ہی پر ڈبوں میں ہوں۔ ۱۰ بجے صاحبان ذیل میری ملاقات کو آئے اور میں نے اُنسے ملاقات کی۔

بھائی سویا سنگھ۔ بھائی روڑا سنگھ گنجی برادر دربار صاحب۔ بھائی شیودت سنگھ۔ بھائی مہر سنگھ مہنت۔ بابا ہرچنداس۔ مہا سنگھ مع فرزند وغیرہ۔ اِن حضرات کے جانیکے بعد دوسرا گروہ کھتری صاحبان کا آیا اِن سے بھی ملاقات کی بعد اِس کے ٹمپرنس سوسائٹی کا ایک ڈپوٹیشن آیا اور مجھے مدعو کیا کہ میں اِن کے اٹ ہوم میں (جو میرے امرتسر کے آنے کی خوشی میں منعقد کیا تھا اور جسمیں شہر کے اکثر عمائد واکابر مدعو کیئے گئے تھے) جاؤں چنانچہ میں لالہ مہرچند عرف فتو سیٹھ جو میرے سمدھی ہوتے ہیں اور اپنے چھوٹے داماد لالہ اقبالچند معروف بہ دولھا راجہ اور اپنے ایک مصاحب اور دو خدمتیوں کے ساتھ شام کے ½ ۵ بجے اِس جلسہ میں گیا۔ معزز ممبران ٹمپرنس سوسائٹی نے نہایت گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا اور تمام معزز وعمائد سے جو اس جلسہ میں آئے ہوئے تھے جن کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی مجکو ملایا۔ بعد مُعرّفی وثناسائی کے پنڈت بشن نرائن رازداں نے کھڑے ہو کر میرے امرتسر میں آنے کے متعلق مسرت خیز لہجہ میں اظہار مسرت کرتے ہوئے ٹمپرنس سوسائٹی کے اغراض ومقاصد کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ سوسائٹی "انگلو انڈین ٹمپرنس ایسوسی ایشن لندن" کی ایک شاخ ہے اِس سوسائٹی کو سر لوئیس ڈین وہز ایکسلنسی کمانڈر انچیف وڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب اور صوبۂ ہٰذا کے رؤسا ووالیان ملک کی گرانقدر امداد سے مفتخر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جس کا جواب میں نے مختصر الفاظ میں شکریہ کے ساتھ سوسائٹی کے شریفانہ کام اور اُس کی روزافزوں کامیابی کے ساتھ

ترقی پر مبارکباد دیکر دو ہزار روپیہ اپنی طرف سے اس سوسائٹی کو دیا۔ ۷ بجے اسٹیشن کو واپس ہوا۔ پنڈت بشن نرائن رازداں ہی کی سعی سے ٹمپرنس سوسائٹی قائم ہوئی ہے اور کھتری کمیونٹی سے معزز ممبر اسکے معاون ہیں۔ لالہ نند لعل کھتری نہایت جفاکش اور دلچسپی سے اس سوسائٹی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں نہایت ہوشیار اور خلیق اور ہر دلعزیز ہیں۔

۱۵۔ جولائی ۱۹۱۳ء
م۔ ۹۔ شہریور ۱۳۲۲ف

آج میں نے ایک ہوٹل کا مکان کرایہ سے لیا اور مع زنانہ اُس مکان میں فروکش ہوا۔ اسکے بازو میں ایک اور مکان تھا اسمیں اسٹاف کے لوگ تھے ½ ۵ بجے یہاں کے کھتری صاحبوں نے براہِ مہربانی میرے خیر مقدم کے اظہار میں ایک جلسہ قرار دیا تھا جسمیں تقریباً تین ہزار امرتسر کے عمائد و اکابر کھتری صاحب وغیرہ جمع تھے تعارف اور ملاقات کے بعد راجہ رتن چند صاحب مہری نے جو کھتری سبھا کے سکرٹری تھے کھڑے ہوکر قوم کی طرف سے اڈریس دیا اور میرا خیر مقدم اور میرے جدِّ بزرگوار مہاراجہ چندو لعل بیکنٹھ باشی کا ذکر کرتے ہوئے میری اُن خدمات کا ذکر کیا جو زمانۂ پیشکاری و مدار المہامی میں مَیں نے انجام دیے۔

ختم تقریر پر میں کھڑا ہوا اگرچہ میں تیار نہ تھا۔ بہرانیہم اُنکی تقریر کا جواب ادا کرنا مجھے ضروری اور لازمی تھا حسب ذیل ادا کیا۔

پیارے بھائیو۔ کل کے اٹ ہوم میں اچانک طور سے مجھے اطلاع ہوئی۔ کہ پنڈت بشن نرائن صاحب ٹمپرنس سوسائٹی کے معزز ممبر کی تقریر کے جواب میں

میں بھی شکریہ ادا کروں۔ لیکن اپنے دِلی جذبات اور خیالات کو پورے طور سے مجتمع کر کے عرض حال کرنے سے قاصر رہا۔ اتفاق سے آج بھی میرے ہمقوم بھائیوں نے مجھے اپنی ملاقات کا موقع دیا ہے اس لئے میں اسوقت کو مغتنمات سے جان کر اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے آمادہ ہوں۔

اے میرے بھائیو۔ اگرچہ میرے جدّ بزرگوار راجہ چندو لعل بیکنٹھ باشی اِسی پنجاب کی سرزمین کے تھے اور یہیں سے آصفجاہ کے ساتھ اُن کے بزرگوار دکن گئے۔ مہاراجہ بیکنٹھ باشی نے کئی بار قصد کیا تھا کہ پھر وہ اپنے وطن مالوف کو آکر اپنے بھائیوں کے درشن کریں۔ لیکن مشغولی خدمات نے موقع نہیں دیا۔ یا یہ کہیئے کہ یہ سعادت میری قسمت میں لکھی تھی جو آج کے روز مجھے حاصل ہوئی جسپر مجھے فخر اور ناز ہے۔

میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ میرے بھائیوں نے جس خلوص اور جوشِ محبت کے ساتھ اِس غریبُ الدیّار خادمِ قوم کا خیر مقدّم منایا اسکی سپاسگزاری کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ چنانچہ اِس محبّت کا اظہار پھولوں کے ہاروں کے انبار سے ظاہر ہوتا ہے جو آپکی جانب سے مجھے عنایت ہوئے۔ ایک تو آپکی مہربانیوں کا بوجھ دوسرے پھولونکے ہار ونکا۔ یہ دونوں بوجھ میری ایک ضعیف گردن کو برداشت کرنا مشکل تھا مگر جبکہ میں نے اندازہ کیا کہ کونسا بوجھ زیادہ ہے تو فی البدیہہ ہاتف نے میرے دلمیں یہ شعر موزوں کردیا۔ ؎

بوجھ پھولوں کا اُٹھا سکتا ہوں لیکن سچ یہ ہے
میری گردن زیرِ بارِ منّتِ احباب ہے

اے بھائیو آپ یقین مانیں اور میرا یہ شعر میرا ترجمانِ دل ہے اس میں نہ خوشامد ہے نہ شاعری۔ آپ اس امر کو باور کریں کہ گو دُنیا کی ضرورتوں کے لئے خوشامد یا مبالغہ کے ساتھ تعریف و ثنا ہمیشہ سے حصولِ مقاصد کا ذریعہ سمجھا گیا ہے مگر میں نے اِن باتوں کو کبھی اپنا شعار نہیں گردانا اور ہمیشہ میری یہی کوشش رہی اور آئندہ رہیگی۔ میں جوکچھ آپ صاحبوں کی محبت اور یگانگت کے اظہار میں اپنی زبان اور قلم سے کام لے رہا ہوں اسمیں ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ اگر اس اظہار محبت میں آپکے خلوص نہ ہوتا تو ہرگز میرا نیازمند دِل اس قدر متاثر نہوتا۔ میرا ہمیشہ سے اسپر عمل ہے۔

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

اے میرے معزز ہمقوم۔ آپ نے میرے جدِ بزرگوار مہاراجہ چندو لال بیکنٹھ باشی کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے اِس غریب الدیار فقیر گوشہ نشین کو یاد فرمایا ہے اگر مبالغہ اور شاعرانہ خیال نہ سمجھا جائے تو میری اِس گذارش کو یقین مانیں کہ بیشک مجھے فخر ہے کہ میں اُن کا نام لیوا ہوں اور اُس آفتاب مجمع الصفات سے کسب ضیا کرتا ہوں مگر۔

طالبِ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بلکہ اگر مجھے اور میرے خاندان کو فخر ہے تو اس امر کا ہے کہ میرا خاندان آصفجاہی کہلاتا ہے اور آفتابِ سلطنت کے پیارے چاند محبوب دکن اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا یہ خادم

دست گرفتہ اور پروردہ ذرۂ بیمقدار ہے مرحوم و مغفور کی خادمی میں بارہ برس کی عمر سے اڑتالیس ۴۸ برس کی عمر تک حاضر رہا حضرت نے اولاد سے زیادہ میری پرورش فرمائی اور مین نے بھی اپنے کو حضرت خداوندِ نعمت کا ملازم نہیں سمجھا۔ خدا رکھے محبوب دکن کے محبوب ہمارے حال اعلیحضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بھی اِس آبائی نمکخوار کو اپنے نمکخواروں میں شریک فرما کر پرورش فرما رہے ہیں جو میرے انداتا ہیں۔

آپ نے جن خدمات کا اپنی اڈریس میں ذکر کیا ہے وہ آپ کے حُسنِ ظن کی ایک دلیل ہے ورنہ سچ پوچھا جائے تو میں نے اپنے فرائض کو ادا کرنے کے سوا کوئی نئی بات نہیں کی۔ اُن خدمات کی نسبت آپ صاحبوں نے اپنے قدر افزا خیالات کا اظہار کیا اور گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی میری خدمات کو منظور فرما کر میری قدر کی اور میرے آقا نے بھی قبول کیا۔ میں اِن سب کو عطائے نعمتِ الٰہی سمجھتا ہوں۔

میرے معزز احباب۔ اَب میں اپنی تقریر کو مختصر کرتے ہوئے ایک چیز کا طالب ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور عنایت فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ جسطرح آپ کی عنایت اسوقت مبذولِ حال ہے غائبانہ بھی آپ اِس عاجز کو یاد سے فراموش نفرمائیں گے ایسا نہو کہ سگِ حضوربہ از برادر دور کا مصداق صادق آئے۔

اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے اِس امر کا اظہار بھی اپنے اوپر لازم و واجب سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلے کِنگ جارج امپرآف انڈیا کی سپاسگذاری کرتا ہوں کہ

جنکے مبارک راج میں کل اقوام نہایت عزت و آرام اور مذہبی آزادی کے ساتھ بسر کر رہے ہیں اور جنکے مبارک زمانے کی بیحد برکتیں ہندوستان کو گھیرے ہوئے ہیں اور جسکی بدولت ہر قوم زیورِ علم سے مزیّن اور اعلیٰ خدمتوں پر ماسور ہے۔ اور آپکی قوم کا ایک خادم جو اسوقت آپ کے روبرو حاضر ہے ہر قسم کے اعزاز سے معزز و مفتخر ہے اسکے بعد اپنے آقائے ولینعمی حضور بندگانِ عالی مدظلہ العالی آصفجاہ سابع میر عثمان علیخاں بہادر کی بقائے عمر و اقبال و دولت کے لئے دعا کرتا ہوں جس کے زیر سایۂ عاطفت اُنکا ایک آبائی نمکخوار جاں نثار اعزاز و افتخار کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایک بات اور باقی رہگئی ہے اور وہ یہ ہے کہ نہایت مسرت کی بات ہے کہ اہل قوم اسطرف متوجہ ہیں کہ اپنی آئندہ اور موجودہ نسلوں کی تعلیم و تربیت زمانۂ کے اُصول کے موافق کرنے میں ہمہ تن کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے سُنا ہے کہ لڑکیوں کی بھی تعلیم ہو رہی ہے یہ نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ اسلئے کہ اولاد کی تربیت میں زیادہ تر حصّہ ماں سے متعلق ہے۔ علم ہی ایک ایسی چیز ہے کہ گدا کو بادشاہ اور فقیر کو امیر کرے اگر میرا خیال غلط نہو تو میں اتنا ضرور کہونگا کہ تعلیم کے ساتھ اِن نونہالانِ چمنِ قوم کی سوسائٹی بھی اچھّی ہو جن سے آئندہ چل کے ہمیں برگ و بار کی اُمید ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی جہانتک ممکن ہو تعصب اور نفاق، اِن دونوں کی بیخ کنی میں زیادہ تر مصروف ہونا ایک ضروری امر ہے۔ یہی دو چیزیں ہیں کہ جنکے سبب سے بڑی بڑی سلطنتوں نے زوال کا منھ دیکھا ہے اور اعلیٰ ترین قوموں نے منھ کی کھائی ہے۔ چونکہ ترقی کا زمانہ ہے ہمکو

لازم ہے کہ وہ طریقہ اختیار کریں کہ جس سے ہم اپنے کو نفع پہونچائیں اور بلاقید ملت ومذہب بندگانِ خدا کی خدمتگذاری کریں جو عین عبادتِ خدا ہے۔ چونکہ میرا لڑکا عثمان پرشاد جو میرے گذشتہ نرینہ اولاد کا یادگار اور مہاراجہ چندو لعل کے قافلے کا۔ خدا رکھے قافلہ سالار ہے جیسا کہ آپ صاحبوں نے آج صبحکو دیکھا ہے کسیقدر بخار سے علیل ہے اسلئے اب اپنے اس سفر کو مختصر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ صاحب مجھے غائبانہ بھی اپنا سچا اور بیریا خادم سمجھکر جو کچھ خدمت کرسکوں اُس سے ضرور یاد فرمائیں گے میں وعدہ کرتا ہوں کہ دامے درمے سخنے حتی المقدور خدمتگزاری میں کمی نکروں گا آپ صاحبوں نے جو میرے لڑکے کو دعائے صحت دی ہے خدا اسکو قبول کرے۔ اسکے بعد خاص طور پر ٹھاکر کشن سنگھ صاحب سے ملاقات کی یہ دونوں بھائی ریاست کشن گڑھ کے رُوسا میں سے ہیں۔ اخلاق، تہذیب، قومی ہمدردی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ نہایت خلوص کے ساتھ مجھ سے ملے۔ بعد اسکے جلسہ برخاست ہوا اور میں اپنی کوٹھی کو واپس ہوا۔ دوسرے دن بھائیوں نے بازدید کی ملاقات کی۔

۱۶۔ جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۰۔ شہریور ۱۳۲۲ ف

آج میں اول وقت بیجناتھ کالج میں مع اپنے اسٹاف کے گیا۔ جہاں میرے لئے غیر معمولی طور پر اظہارِ محبت اور یگانگت کی بزم آرائی کی گئی تھی۔ جب وہاں پہونچا تو کالج کے اسٹاف کے ساتھ اکثر عمائد و اکابر شہر موجود تھے جنھوں نے میرا استقبال کیا۔ میں کالج کے ہر اُس کلاس میں جہاں ناگری اور انگریزی تعلیم دیجاتی ہے گیا۔ بعد اسکے اُس درجہ میں گیا جہاں مسلمانوں کے

اطفال کو قرآن مجید اور اُسکی تفسیر کی تعلیم دیجاتی ہے۔ وہاں میں نے بعض طلبا سے قرآن مجید کے کچھ سورے پڑھوا کر سُنے۔ معلّم صاحب نے بھی سورۂ رحمٰن خوش آوازی سے سُنائی۔ میں اُس ہال میں آیا جہاں اراکینِ کالج و نیز عمایدو اکابرِ شہر کا مجمع تھا۔

معززینِ جلسہ نے براہ اتحاد صدارت کی کرسی پر مجھے جگہ دی۔ پہلے ہارمونیم پر طلبا نے خدا کی حمد اور مبارکباد گائی۔ اسکے بعد ایک ماسٹر نے اپنی دلکش اور سُریلی آواز میں مے نوشی کی مذمت میں ایک نہایت عمدہ نظم گائی۔ اسکے بعد ہیڈ ماسٹر نے انگریزی میں ایک اسپیچ دی جسمیں کالج کے اُصولِ تعلیم اور میرے خدمات وغیرہ کا ذکرِ خیر تھا۔

ختم اسپیچ پر میں کھڑا ہوا اور کالج کے طریقۂ تعلیم پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ میری تقریر کے ختم ہونیکے بعد پنڈت رام ناتھ صاحب سکرٹری کالج نے بھی مختصر تقریر کی۔ بعد اسکے میرے دوست لالہ رتن چند صاحب نے کھڑے ہو کر میری طرف سے ایک عطیہ کا اظہار کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔ میں وہاں سے مع تمام حضرات کے اُس مقام پر آیا۔ جہاں اِسی کالج کے طلبا اپنی اپنی قواعد دکھلانے کے لئے جمع تھے۔ مجھے اُن کی جمناسٹک کی قواعد سے ایک خاص دلچسپی ہوئی اور میں نہایت محظوظ ہوا۔ اور ما/ صہ کا انعام اُن طلبہ کو دیکر دس ۱۰ بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔

آج میں نے اپنی کوٹھی کے برابر والی کوٹھی میں جو خالی تھی شہر کے تمام عمائد و اکابر کو عام طور پر ایٹ ہوم دیا اور اس کا انتظام اپنے دوست پنڈت گردھاری لعل صاحب بوچپائی اور بابو نند لعل سکرٹری ٹمپرنس سوسائٹی کے سپرد کیا تھا۔ اس موقع

کے لئے میں نے فی البدیہہ دس گیارہ رُباعیاں ادائے تشکر و امتنان میں کہکر اُن کو
چھپوانے کے لئے حکم دیا۔ گو مجھے اُمید نہ تھی کہ آج ہی چھپکر جلسہ سے پہلے آجائیں گی اور
تقسیم ہوسکیں گی کیونکہ وقت بہت ہی کم تھا لیکن میرے ایک مصاحب کی مستعدی
نے اُس کو پورا کیا اور جلسہ سے پہلے پانسو قطعہ چھپوا کر میرے سامنے پیش کردیے۔ جو میری
بیحد خوشی کا سبب ہوا۔ آگے چلکر ان رباعیوں کو ہدیۂ ناظرین کرونگا۔ چار بجے سے
میرے احباب کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا ۱/۲ ۵ بجے تک قریب ہزار آٹھ سو معزز
مہمانوں نے قدم رنجہ کیا۔ میرے دوست بابو نندلعل سکرٹری ٹمپرنس سوسائٹی نے اپنی
مستعدی و محنت سے رفرشمنٹ کا قابل تعریف انتظام کیا تھا۔ ہر چیز نہایت صفائی و
اہتمام کے ساتھ میزوں پر چُنی ہوئی تھی۔ ہر شخص نہایت خوشحال و بشاش نظر آتا تھا۔

۱/۲ ۵ بجے میں اپنی کوٹھی سے نکلکر اپنے اسٹاف اور نیز معزز احباب کے ساتھ
اَٹ ہوم میں گیا۔ حضّار جلسہ سے ملاقات کی۔ ابھی ملاقاتوں سے فراغت نہ ہونے پائی
تھی کہ ابر کا ایک ٹکڑا آیا اور ترشح ہونے لگا جسکی وجہ سے کسی قدر بے لطفی ہوگئی۔ مگر
رحمت الٰہی کے آثار اور نیک شگون تھا۔ چھ منٹوں کے بعد برس کر کھل گیا۔ پھر وہی
چہل پہل ہوگئی۔ رباعیات مطبوعہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے پہلے ہی تقسیم کیجا چکی تھیں۔
بارش کھل جانے کے بعد جب مجمع کی یکجائی ہوئی تو میں نے کھڑے ہوکر حسب ذیل
تقریر کی۔

بھائیو۔ نہایت شکر اور مسرت کا مقام ہے کہ آپ صاحبوں نے یہانتک

قدم رنجہ فرما کر مجھے بھی ممنون فرمایا۔

دُنیا کا عام دستور ہے کہ احباب کو مدعو کر کے اُنکی مہمانداری کی خوشی حاصل کرتے ہیں مگر میں ناز کرتا ہوں کہ میرے احباب خود میزبان ہو کر دوستوں اور آشناؤں کی مہمانداری میں مشغول ہیں۔

وہ آپ آئے مرے گھر کو اور لطف یہ ہے
کہ آئے بھی تو وہ میرے ہی میزباں ہو کر
شاد

آپ ہی کہئیے اور آپ ہی بتلائیے کہ اس کو یگانگت نہ کہا جائے تو کیا کہا جاوے۔ اس کو موافقت نہ کہئیے تو کیا کہئیے۔ اس کو حُبّ قومی نہ کہئیے تو کیا کہئیے۔

خدا کا شکر ہے جس قدر میں اپنی قسمت پر ناز کروں تو زیبا ہے قیصرِ ہند عدل گستر خسروِ دکن قُدَما پرور۔ قوم ہمدرد و ذی ہنر دھنّ بھاگ میرے کہ میں بھی ہوں طالع کا سکندر۔

ہمارے پیارے قیصرِ ہند کے جہاں اور احسان ہماری گردنوں پر ہیں از انجملہ یہ بھی ایک احسان ہے کہ ہزاروں کوس کے بچھڑے ہوئے چار روز کی مسافت طے کر کے مِل گئے جن کے درشنوں کو نَین ترستے تھے اُن کے درشنوں سے من سنتوشٹ ہے۔

اِس دولتِ برطانیہ کا احسان ہے کہ قوم کھتری جو ہمیشہ سے صاحبِ سیف و قلم رہی ہے آج کے روز بھی اپنی میراث کا تمغہ پائے ہوئے عزت سے بسر کر رہی ہے اور

جسکی مبارک حکومت میں کل اقوام عزت و آرام کے ساتھ شیر و شکر کی طرح ملکر اپنے اپنے خدمات کو انجام دے رہی ہیں۔ اور ہر قوم زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ اور ہر ایک اعلیٰ منصب ور خدمات سے وابستہ ہے۔

یہ اِس عدل پرور گورنمنٹ کی عدل گستری ہے اور آقا کی قدر دانی کا باعث ہے جیسا کہ کل آپ نے میری خدمات کا ذکر فرماتے ہوئے میرے خطابات کا ذکر فرمایا تھا۔ الحمدللہ کہ معزز و ممتاز ہوں۔ پس ہم سب کو کنگ جارج پنجم قیصرِ ہند کی شکرگذاری کرنی چاہیئے اور ہر وقت دل سے یہ دعا دینی چاہیئے۔

عمرت دراز باد کہ تا دورِ مشتری

ما از تو بر خوریم تو از عمر بر خوری

اے بھائیو۔ اگرچہ میں ابھی ایک دو شب تا وقتیکہ برخوردار عثمان پرشاد کا ٹمپریچر اعتدال پر آجائے۔ یہاں حاضر ہوں لیکن ابھی سے جدائی کا کھٹکا دل کو چھیڑتا چلا جارہا ہے اور وقت زبانِ حال سے یہ کہکر چونکایا جاتا ہے۔

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو

جُدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا روحی وصال اور ایکایت بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ ضرور ہے۔ پس جو تعلقات روحانی ہیں اُن میں جدائی نہیں ہوسکتی۔ اس کو اُسوقت تک بقا ہے جب تک پرماتما شکتماں کی ہستی اور اُس کے اسماء صفات کو بقا ہے۔

اَب میں دعا کرتا ہوں۔ اے ہندو اور مسلمان بھائیو۔ خدا تعالیٰ آپ کی عمر اور نسلوں میں برکت دے اور آپ میں انسانی ہمدردی۔ یکجہتی اخلاق روز بروز زیادہ ہو۔ اور آپ اپنی منصف گورنمنٹ اور حکمراں کی خیر خواہی کے امتحاں میں ہمیشہ پورے اُتریں اور اپنی اولاد کی تعلیم اور تربیت کی طرف مدام متوجہ ہوں اور اپنے نیازمند دوستوں کو فراموش نہ کریں اور آپ کی نسلیں پھلیں پھولیں اور پروان چڑھیں۔ اور آپکا نیازمند دعاگو شادؔ اپنے احباب کی خوشیوں میں ہمیشہ شریک رہے اور خدمتگزاری کو آپ صاحبوں کی دامے درمے سخنے اپنے لئے باعث فخر سمجھے۔ آخر میں میں راؤ بہادر پنڈت گردھاری لعل اور پنڈت سروپ نرائن رازداں اور بابو نند لعل صاحب کا شکرگذار ہوں جنھوں نے محفل آرائی میں دلچسپی و مہربانی سے حصہ لیا۔ اور نیز لالہ شیو دت داس۔ لالہ رتن چند اور نیز لالہ دیوان چند اور پنڈت بشن نرائن رازداں کا بھی شکرگذار ہوں جنھوں نے اپنی سچی یگانگت اور برادرانہ روابط اور مسافر نوازی میں اپنی عالی حوصلگی کو کام فرمایا۔

بعد اس کے پنڈت بشن نرائن رازداں اور نیز رتن چند وغیرہ معزز احباب کی فرمائش پر میرے ایک مصاحب نے بلندی پر کھڑے ہوکر وہ رُباعیاں پڑہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

رُباعی

نکلا ہوا گل اسی چمن میں آیا بھولا ہوا لفظ پھر سخن میں آیا

اے قوم یہ شاد ہے تمھارا بھائی
دو صدیوں کے بعد پھر وطن میں آیا

ایضاً

اللہ رکھے جارج پنجم کو شاد
آصف بھی رہیں ہمیشہ شاد و آباد
دیتا ہوں دعا یہ قوم کیجانب سے
زندہ رہیں دونوں مع آلِ و اولاد

ایضاً

کس منھ سے کہوں کہ میزباں ہوں انکا
حالانکہ حقیقتاً میہماں ہوں انکا
احباب وطن ہیں میرے میرے محسن
میں دلسے زبانسے قدرداں ہوں انکا

ایضاً

احباب کے آنیسے میں مسرور رہا
ممنون ہوا بہت ہی مشکور رہا
شکر انکا ادا ہوا نہ ہوگا اے شاد
ناظر تھا جنکا اُن کا منظور رہا

ایضاً

دیکھا اخلاق مہربانی دیکھی
مہماں نے تمھاری میزبانی دیکھی
بھولیگا کبھی نہ شاد خاطر داری
اے قوم تمھاری قدردانی دیکھی

ایضاً

بھولونگا کبھی نہ مہربانی ان کی
جائیگی نہ دل سے قدردانی انکی
احباب ہیں شاد مجھ سے میں انسے شاد
یارب رہے شاد زندگانی انکی

ایضاً

فکر و الم و رنج سے آزاد رکھے
آباد رکھے ہمیشہ دل شاد رکھے

دن رات یہی دعا ہے میری اے شادؔ
کل قوم کو ذوالجلال آباد رکھے

ایضاً

نہ وقفِ صلوٰۃ و صائم صوم ہوں میں
نے عیش پسند و خوگرِ نوم ہوں میں

میں کچھ بھی نہیں اگرچہ سب کچھ ہوں شادؔ
ہاں فخر یہ ہے کہ خادمِ قوم ہوں میں

ایضاً

درد ایہ فلک کی کیسی بیدردی ہے
ہمدرد کوئی نہ کوئی یاں دردی ہے

درد اپنا کسے ہے اس زمانہ میں شادؔ
ہمدردیِ قوم اپنی ہمدردی ہے

ایضاً

پایا نہ شہر میں نہ دشت و در میں
آرام ملا جو ہمکو امرتسر میں

اے قوم تمہاری مہربانی یہ ہے
بیٹھا ہے شادؔ گویا اپنے گھر میں

ایضاً

مشفق کوئی کوئی مہرباں ہے میرا
محسن کوئی کوئی قدرداں ہے میرا

کل تک تھا شادؔ انکا مہماں پر آج
یہ مجمعِ قوم میہماں ہے میرا

۸ بجے جلسہ برخاست ہوا - اور میں اپنے بعض احباب کے ساتھ جنمیں پنڈت بشن نرائن - نگینہ مل - لالہ رتن چند - سردار بشن سنگھ - رام ناتھ سیٹھ - پنڈت بنواری دت وغیرہ تھے اپنی کوٹھی کو واپس ہوا - ڈاکٹر کرنل اسمتھ جو نہایت ہی لائق اور اپنے فن کے

یکتا مانے جاتے ہیں اور جو میرے بچّے کے معالج ہیں وہ آئے تھے اِن سے ملاقات کی۔ نہایت پُرمذاق آدمی ہیں۔

آج میری بڑی رانی اور نیز دیگر محلات نے آریہ سماج سنٹرل گرل اسکول میں جاکر لڑکیوں کو انعام تقسیم کیا اور صدر معلمہ گرل اسکول کو بڑی رانی کی طرف سے ایک سارٹیفکٹ دیا گیا۔

۱۷ جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۱ شہریور ۱۳۲۲ ف

آج میں مولوی ثناء اللہ صاحب مصنف تفسیر ثنائی کی ملاقات کو اُنکے مکان پر گیا۔ نہایت مقدس اور عالم۔ مولوی فاضل ہیں اُن کی ملاقات سے استفادہ حاصل کرکے مولوی عبدالجبّار صاحب کی ملاقات کو گیا۔ یہ بھی نہایت بزرگ آدمی ہیں۔ اِن کی ملاقات سے فارغ ہوکر بابا ہرگیان دیو کے یہاں گیا جو چھوٹے اکھاڑے کے مہنت کہلاتے ہیں اور بہت نیک آدمی ہیں۔ قریب بارہ بجے کے کوٹھی کو واپس ہوا۔ چونکہ آج شب کو میں لاہور کو جانے والا تھا۔ امرت سر کے تمام احباب یکے بعد دیگرے ملاقات کو آئے۔ ڈبوں کا انتظام کیا جاچکا تھا ½ ۶ بجے مع اسٹاف اسٹیشن پر آکر ڈبوں میں سوار ہوا۔ اسٹیشن پر لالہ رتن چند و پنڈت بشن نرائن رازداں مع فرزند اور ٹھاکر مہا سنگھ اور بابو تارا چند و لالہ برکت رائے منصف وغیرہ نیز اکثر احباب وعمائدین شہر رخصتی ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ سب نے رخصتی ہار پہنائے۔ میں سبکو خدا حافظ کہکر ½ ۷ بجے لاہور کو روانہ ہوا۔ اور ½ ۹ بجے شب کو لاہور پہونچا۔ اسٹیشن پر میرے بے ریا دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا موجود تھے اِن سے ملا اور اپنے

ڈبوں کو علیحدہ کرا کر ایک طرف قیام کیا۔

۱۸۔ جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۲۔ شہر پور ۱۳۲۲ ف

میں اپنے سائڈنگ پر خاص گاڑی میں مقیم رہا۔ چھوٹی حاضری سے فارغ ہو کر مشہور مزارات اور مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہوا۔

لاہور۔ راولپنڈی سے (۱۷۴) میل کے فاصلہ پر شہر لاہور یعنے دارالسلطنۃ پنجاب دریائے راوی کے کنارے آباد ہے۔ یہ بہت پُرانا شہر ہے۔ ہندوں کے خیال کے مطابق اسکی بنیاد راجہ رام چندر جی کے بیٹے "لو" نے ڈالی تھی چنانچہ اب تک اس کا نام ہندی و سنسکرت کے شاستروں و گرنتھوں میں "لوپوری" لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ یہاں کے قدیم بازار تنگ اور ٹیڑھی گلیاں ناصاف۔ مکانات بہت اونچے ہیں یہاں صرف بڑے بڑے مکانوں میں صحن رکھا جاتا ہے تمام مکانوں میں صحن رکھنے کا رواج نہیں ہے۔

شہر کے گرد پختہ فصیل بنی ہوئی ہے جس میں تیرہ ۱۳ دروازے ہیں۔ دیوار کے چاروں طرف باغ لگا ہوا ہے اور ایک نہر جو قریباً تین گز چوڑی ہے بہتی ہے

یوں تو یہاں ہر ایک دروازہ کے ساتھ ایک ایک لمبا اور بارونق بازار ہے مگر ان کے علاوہ شہر سے باہر انارکلی۔ اندر ڈبی بازار۔ متی کا چوک۔ کشمیری بازار لوہاری منڈی۔ بازار حکیماں وغیرہ میں ایک خاص رونق ہے۔ انارکلی سے میلوں تک لمبی لمبی سڑکیں اور دو طرفہ کوٹھیاں بنتی چلی گئی ہیں۔ جو نفیس المزاج ہیں وہ

انارکلی کے مکانوں یا کوٹھیوں میں آباد ہیں۔

یہاں پر سیر کے لئے بہت سے باغ تالاب اور سڑکیں ہیں خصوصاً مال روڈ جس پر ملکۂ معظمہ وکٹوریہ کا سیاہ بت ہے اور رات کو بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ نہایت خوبصورت اور بارونق ہے اور قریب ۳ میل کے طولانی ہے۔

یہاں کے باغوں میں شالامار باغ قابلِ دید ہے۔ یہ باغ شاہجہاں بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ اسکے ۳ طبقے ہیں جسمیں قسم قسم کے پھل اور پھول لگے ہوئے ہیں۔ ہر طبقے سے دوسرا دوسرے سے تیسرا نشیب میں بنا ہوا ہے اور ہر ایک میں ایک پختہ نہر گذرتی ہے جس کے آس پاس نہروں کی روش بنی ہوئی ہے اور بیچ میں جابجا فوّارے لگے ہوئے ہیں جو موسم برسات میں بہار دیتے ہیں۔ ہر طبقے میں سنگ مرمر کی بارہ دری بیٹھنے کے لئے بنی ہوئی ہے۔ ایک سفید پتھر کا تخت بھی پڑا ہوا ہے۔ جس کے پیچھے کی جانب سنگ مرمر کی ایک چادر دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے اسمیں برسات کے موسم میں پانی کا جھرنا نہایت لطف خیز ہوتا ہے۔ باغ کے گرد اونچی اور پکّی دیوار ہے۔ یہ باغ پنجور کے باغ کے نمونہ پر بنا ہوا ہے جو کالکا کے قریب ہے وہ اِس سے بھی بڑا ہے مگر سنگ مرمر کا کام اس میں اُس سے زیادہ ہے۔ اِس کے علاوہ قلعہ ثمن بُرج۔ بادشاہی مسجد۔ وزیر خاں کی مسجد۔ سُنہری مسجد وغیرہ اور قلعہ کے اندر کئی محل حضوری باغ میں سنگ مرمر کی بارہ دری۔ مہاراجہ رنجیت کی سمادھ سکھوں کی بنائی ہوئی۔ چڑیا خانہ۔ عجائب گھر۔ یونیورسٹی کالج۔ میڈیکل کالج۔ اورنٹیل کالج۔ لاکالج۔

گورنمنٹ کالج - یونیورسٹی ہال - ڈاکخانہ ہسپتال ریلوے اسٹیشن چیف کورٹ وغیرہ عمارات
قابل دید ہیں - لاہور سے ۳ میل کے فاصلے پر لاہور چھاؤنی یعنی میانمیر آباد ہے۔

۱۹ - جولائی ۱۹۱۳ء
م - ۱۳ - شہریور ۱۳۲۲ ف

آج میں کہیں نہیں گیا۔ ایک بجے کی گاڑی میں میرے سمدھی لالہ مہر چند عرف فتو سیٹھ اور میری لڑکی اور داماد لالہ اقبال چند عرف دولھا راجہ کشمیر کو روانہ ہوئے ۲½ بجے مولوی محمد عبد العزیز صاحب مینیجر پیسہ اخبار اور سید جالب صاحب دہلوی جائنٹ اڈیٹر پیسہ اخبار ملاقات کے لئے آئے (اِس ملاقات کی کیفیت پیسہ اخبار مطبوعہ ۲۲ - جولائی ۱۹۱۳ء میں مفصلاً درج ہے) ۵ بجے شام کے میرے دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا آئے۔ بہت دیر تک لطف صحبت رہا۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں خدا زندہ رکھے۔ چونکہ برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عمرہ کا مزاج اچھا نہیں ہے اسلئے حسب مشورہ ڈاکٹر محمد اقبال ڈاکٹر محمد حسین کو جو لاہور کے نامی ڈاکٹر ہیں طلب کر کے دکھایا یہ صاحب نہایت ہی خلیق اور اپنے فن کے تجربہ کار ہیں۔ سیٹھ فتو صاحب اور لالہ کشن نرائن راز داں نے ڈاکٹر پنڈت رائے بالکشن جو برہمن کی قوم سے - اور نہایت لائق اور ستودہ صفات ہیں بُلا کر بچے کو دکھایا۔

۷ بجے شب کو بابو نند لعل سکرٹری ٹمپرنس سوسائٹی امرتسر سے آئے ساڑھے آٹھ بجے تک میں اُن سے باتیں کرتا رہا۔ ۹ بجے پھر ڈاکٹر محمد اقبال آئے اور اُن کے اصرار سے مع دو مصاحبوں کے آغا حشر کاشمیری کے تھیٹر میں گیا ۱۲½ بجے میں وہاں سے

واپس آگیا۔ آغا حشر بہت خوبیوں کے اور آشنا پرست شخص ہیں۔

۲۰- جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۴- شہریور ۱۳۲۲ف
آج میں لاہور سے شب کی ٹرین میں واپس ہونے والا تھا کہ ۴ بجے شام کے رائے بہادر رام سرنداس و پنڈت رائے بالکشن آئے۔ میں اُن سے ملا اور مجھے مجبور کیا کہ میں اُنکا مہمان بنوں ہرچند میں نے اصرار کیا کہ میں اپنے فرزند برخوردار عثمان پرشاد اطال اللہ عمرہٗ کی علالت طبعی سے کسیقدر پریشان ہوں اور یہاں گرمی بھی زیادہ ہے جس سے اسکے ٹمپریچر کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے مگر رائے بہادر موصوف معمولی اخلاق کے بشر نہیں ہیں اِسطرح مجبور کیا کہ بمصداق ؎

خیال خاطر احباب چاہیئے ہردم
انیسؔ ٹھیس نہ لگجائے آبگینوں کو

میں اُنکی دلشکنی گوارا نہ کرسکا اور وعدہ کیا کہ کل آؤنگا۔

۲۱- جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۵- شہریور ۱۳۲۲ف
ابھی چھوٹی حاضری سے فارغ نہ ہوا تھا کہ میرے معزز میزبان رائے بہادر رام سرنداس مع پنڈت دیندیال شرما صاحب دہلوی لکچرار سناتن دھرم آئے اور مجھے میرے تمام زنانہ و مردانہ اسٹاف کے ساتھ اپنی کوٹھی میں لے گئے۔ ڈبوں میں تمام سامان اور کچھ ملازمین رہے۔ شہر کے عمائد و اکابر و اہل برادری میری ملاقات کے لئے آئے اور میں اُن سے ملکر نہایت محظوظ ہوا۔

۲۲- جولائی ۱۹۱۳ء
م ۱۶- شہریور ۱۳۲۲ف
پنڈت دین دیال شرما۔ پنڈت گوبند رام سکرٹری دھرم سبھا لالہ بیلی رام کھتری رئیس۔ لالہ کرم چند مجسٹریٹ لالہ دیوان کشن

مجسٹریٹ سے ملاقات کی۔

بعض اکابر و معززین برادری نے میرے لاہور میں جو میرا جدّی وطن ہے آنے کی خوشی میں ایک جلسہ تھیٹر ہال میں منعقد کیا اور میں ۶ بجے شام کے رائے بہادر رام سرنداس و لالہ کرم چند مجسٹریٹ۔ وڈاکٹر محمد اقبال اور نیز دیگر معزز حضرات کی معیّت میں اس جلسہ میں گیا۔ تقریباً دو ہزار ہندو مسلمان اس جلسہ میں شریک تھے ڈاکٹر سر پرتول چند رچٹرجی جو وہاں کے سر برآوردہ عہدہ داروں میں سے ہیں اور جنکے اخلاق ستودہ نے تمام شہر میں اُن کو ہر دلعزیز کر رکھا ہے۔ بہ حیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں باشندگان لاہور کی طرف سے گرم جوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ ان کے بعد پنڈت دیندیال شرما نے ایک تقریر کی جس میں میرے خاندانی اعزاز اور میری خدمات اور میرے انداتا حضور نظام کے ساتھ میری خیر خواہانہ ارادت کا ذکر تھا۔ اسکے جواب میں میں نے جو تقریر کی وہ درج ذیل ہے۔

حضرات جس اظہار اتحاد اور مہربانی سے آپ بھائیوں نے خادم قوم کو اس محفل میں شریک ہونے کا موقع دیا اس کے متعلق میں اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ۔

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو

جن جن مقدس اور متبرک مقامات کا درشن کرتے ہوئے میں یہاں حاضر ہوا اس سے صرف مقصود یہ تھا کہ اپنے جدّی وطن کو ایکبار دیکھوں اور وطنی بھائیوں سے ملاقات کی مسرّت حاصل کر کے جلد واپس ہو جاؤں اسلئے کہ میرا لڑکا جو یادگار ہے

میرے گذرے ہوئے قافلہ کا وہ علیل ہے اور ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کسی معتدل کلیمٹ کے مقام پر لیجاؤں۔ اگرچہ تخمیناً دو سو برس کے عرصہ سے میرے خاندان سے یہاں کوئی نہیں آیا اور میرے جدّ اعلیٰ کی بارہا خواہش ہوئی مگر کاروبار ریاست کے باعث عدیم الفرصتی مانع رہی اور وہ موقع مجھے نصیب ہوا گویا یہ سمجھنا چاہیئے کہ تخمیناً دو سو برس کے بعد اس سرزمین پر میرے خاندان میں سے میں ہی ایک پہلا شخص ہوں کہ حاضر ہونیکی مسرت حاصل کی ہے۔ اگرچہ میرے خاندان کا تعلق راجہ ٹوڈرمل سے ہے مگر درحقیقت زیادہ افتخار اس خانداں کو اس لئے حاصل ہے کہ میرا خاندان بندۂ آصفجاہی کی عزت رکھتا ہے جن جن اعزاز سے میرے بزرگ ممتاز رہے ان سے بدرجہا زیادہ میرے آقاے ولی نعمت حضرت محبوب دکن مرحوم و مغفور نے اس ناچیز کو سرفراز فرمایا اور آصفجاہ سابع حضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ نے بھی انھیں اعزاز و مراتب سے مفخر اور ممتاز فرما رکھا ہے۔ یہ بھی ایک اتفاق کی بات ہے کہ ایسے زمانہ میں میں یہاں آیا ہوں جبکہ میرے کرمفرما سر میکل اڈویر لفٹنٹ گورنری کی کرسی پر کرسی نشین ہیں۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ اگرچہ میرا جلد واپسی کا خیال تھا لیکن میرے شفیق مہربان رائے بہادر رام سرنداس جنکو خلق مجسم کہنا بیجا نہو گا اور ہمارے پنڈت دین دیال شرما سحر البیان کی اخلاقی اور جادو بھری باتوں نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ دو شب کے لئے میں آپ صاحبوں کی خدمتگزاری میں حاضر رہوں۔ اس سفر میں پنجاب کی علم دوستی اور تحصیل علم کے شوق و ذوق اور اسکے

عروج کو دیکھکر نہایت ہی خوش ہوا۔ اور یہ بھی زیادہ تر مسرت کے لائق بات ہے
کہ اسکے ساتھ ہی اِس امر کی اصلاح کی طرف بھی سعی مبذول ہے کہ تعصب مذہبی
اور آپس کے نفاق کو دور کریں۔

درحقیقت یہ ایک نہایت مبارک اور مستحسن سعی ہے۔ خدائیتعالی آپ صاحبونکی
اس سچّی خلوص بھری سعی کو مشکور اور قبول کرے۔

مجھ فقیر حقیر کے خدمات کی جو کچھ آپ صاحبوں نے قدر افزائی فرمائی اسکو
میں آپ صاحبوں کا حسنِ ظن یقین کرتا ہوں ورنہ میں نے بجز اسکے کہ اپنے فرائض
کو ادا کیا اور کوئی نئی بات نہیں کی۔ انشاءاللہ جبتک زندہ ہوں مَیں ملک اور مالک
کی خدمتگزاری کے لئے ہر وقت مستعد ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کو خدمتگزاری کے لئے
وقف کر دیا ہے۔

برٹش راج کا ہم سب کو احسان ماننا چاہیئے کہ اسی راج کے مبارک خیالات
کے پرتو کا طفیل ہے کہ ہندوستان کے ہر ملک اور ہر قوم میں تحصیل علم یکجہتی بے تعصبی
اور انسانی ہمدردی۔ جو ہماری بھولی ہوئی چیزیں تھیں وہ تازہ ہو رہی ہیں اور ہملوگ
اَب اپنے آپ کو پہچاننے کی قابلیت پیدا کر رہے ہیں اور اِس امر کو بھی محسوس کرتے
جاتے ہیں۔ کہ ہمکو کیا کرنا چاہیئے خدا سے اُمید ہے کہ اِس برٹش حکومت کے سایہ
ہما پایہ میں ہم اور ہماری نسلیں ہر طرح کی کامیابیاں حاصل کر کے ہمیشہ کے لیئے
ممنون منت ہونگی۔ میری یہ دعا ہے کہ ہندوستان اور اس کی رعایا ہمیشہ فضل الٰہی

کی بدولت برٹش راج کے زیر سایہ پھلے پھولے اور آباد رہے مجھے اُمید ہے کہ اے بھائیو آپ لوگ اِس نیازمند فقیر شاہ مسافر کو اپنی یاد سے فراموش نہ فرمائیں گے اگر میں آپ حضرات کی بلاقیدِ قوم و مِلّت کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو اسکو میں اپنے لئے باعثِ فخر سمجھوں گا۔

آخر میں اعلان کیا گیا کہ کل ½۵ بجے شام کے ایک گارڈن پارٹی ٹاؤنہال کی گراؤنڈز میں پر آنریبل رائے بہادر لالہ رام سرنداس صاحب کی طرف سے باعزاز سرمہاراجہ بہادر دی جائے گی۔ قریب ½۱۰ بجے کے میں کوٹھی کو واپس ہوا۔

۲۳-جولائی سنہ ۱۹۱۳ء
م ۱۷-اشہریور سنہ ۱۳۲۲ف

آج صبح کو میں ½۷ بجے مع اپنے ہندو اسٹاف کے گوروارجن گورودوارہ میں گیا جو قلعہ کے متصل ہے وہاں کے گرلز اسکول میں گیا۔ وہاں سے بعض اور گورودواروں کے درشن کرتا ہوا (۱۱) بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔ چونکہ آج انجمن حمایت اسلام لاہور کا ایک ڈیپوٹیشن آنے والا تھا ½۳ بجے وہ ڈیپوٹیشن آیا میرے دو مصاحبوں نے اُن کا استقبال کیا میں نے اُنسے ملاقات کی۔

انجمن حمایت اسلام کے اغراض و مقاصد

یہ انجمن سنہ ۱۸۸۴ء سے "انجمن حمایت اسلام لاہور" کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ جس کے چھ اغراض و مقاصد یہ ہیں۔

(۱) معترضین اُصول مذہب مقدسِ اسلام کے اعتراضوں کے جوابِ تحریری

یا تقریری تہذیب کے ساتھ دینا اور اِس مقدس مذہب کے اُصول کی حمایت اور اشاعت کرنا۔

(۲) مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی و دنیوی تعلیم کا انتظام کرنا تاکہ وہ غیر مذہب والوں کی تعلیم کے اثر سے محفوظ رہیں۔

(۳) مال و زکوٰۃ یا ایسے مال سے جو اصحاب معاونین اِس غرض کے واسطے عطا فرمائیں۔ لاوارث۔ مفلس۔ یتیم مسلمان بچوں کی پرورش اور تربیت کا انتظام کرنا اور مفلس مسلمان بچوں کی تعلیم میں حتیٰ الوسع امداد دینا جو بہ سبب عدم توجہی مسلمانوں کے عموماً خراب اور آوارہ ہو جاتے ہیں اور بے بسی کی حالت میں نعمت اسلام سے بے نصیب ہو جاتے ہیں۔

(۴) اہل اسلام کو اصلاحِ طرزِ معاشرت و تہذیبِ اخلاق اور تحصیلِ علوم دینی و دنیوی اور باہمی اتفاق و اتحاد کا شوق دلانا اور ان کی ترقی و بہتری کے وسائل پیدا کرنا اور تقویت دینا۔

(۵) اہل اسلام کو گورنمنٹ کی وفاداری اور نمک حلالی کے فوائد سے آگاہ کرنا۔

(۶) اِن اغراض و مقاصد کے پورا کرنے کے واسطے واعظوں کے تقرر ماہواری رسالے کے اجرا۔ مدارس۔ کالج اور یتیم خانے کے قیام اور دیگر مناسب وسائل کو عمل میں لانا۔

اِن اغراض کی تکمیل کے واسطے انجمن کی طرف سے کئی واعظ ہیں جو بیرونجات

ہیں انجمن کے مقاصد کی اشاعت اور برادرانِ اسلام سے انجمن کے لئے امداد طلب
کرتے ہیں۔ ان کے پاس قلمی سند مثبتہ دستخطِ میرمجلس و سکرٹریِ انجمن موجود ہے۔
(۷) زنانے مدرسے ہیں جن میں کلام اللہ اور دینی و دنیوی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ
ضروری دستکاری سکھائی جاتی ہے۔

ماہ محرم ۱۳۰۲ھ سے لڑکوں کی دینی و دنیوی تعلیم کے لئے ایک اسکول
لاہور میں جاری ہوا۔ جو یکم جنوری ۱۸۸۸ء سے مڈل کے درجے تک۔ یکم جنوری ۱۸۹۱ء
سے انٹرنس کے درجے تک پہونچا۔ یکم مئی ۱۸۹۲ء سے ایف اے تک کالج بنا۔
یکم جون ۱۹۰۰ء سے بی۔اے۔ اور یکم جون ۱۹۰۹ء سے ایم۔اے بھی کھل گیا ہے۔
اِس اسکول و کالج میں ایک ہزار چھ سو سے زیادہ طلبا دینی و دنیوی تعلیم پاتے ہیں۔
اور یونیورسٹی کے امتحانوں میں شریک ہو کر علی العموم عمدہ نمبروں پر پاس ہوتے ہیں۔
شروع ۱۸۹۰ء سے اسکول و کالج کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس بھی ہے جس میں
بورڈوں کی ہر طرح کی نگرانی نہایت خوش اسلوبی سے ہوتی ہے۔

ہفتہ وار جلسۂ وعظ اسلامیہ وسکول میں ہوتا ہے جس میں مدرسین۔
پروفیسر واعظ اور طلبا اپنی تحریروں اور تقریروں سے اپنے بھائیوں کو مستفید کرتے
ہیں۔ انجمن کے سابق میرمجلس خلیفہ حمیدالدین صاحب مرحوم کی یادگار میں
ایک عربی دینی مدرسہ موسوم بہ "مدرسۂ حمیدیہ" اکتوبر ۱۸۹۰ء سے کھولا گیا ہے۔
جس میں اعلیٰ دینی تعلیم دیجاتی ہے۔ ایک ماہوار رسالہ چھپتا ہے جس میں انجمن

کی کارروائی تہذیب کے ساتھ مخالفین مذہب اسلام کے جواب اور اُن کے مذہب کی تردید اور مسلمانوں کی حالت کی درستی کے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کے واسطے بہت سی کتب چھپ گئی ہیں جن میں سے اکثر اسلامیہ سکول و کالج کی تعلیم میں داخل ہونے کے سوا سارے ہندوستان کے اسلامی اور بعض سرکاری صوبجات میں اور ریاستوں کے مدارس میں درج ہیں۔ اور کتابیں بھی تیار ہو رہی ہیں جو مرتب ہونیکے بعد آہستہ آہستہ انشاء اللہ چھپتی جائینگی۔ مسلمانوں کے لاوارث یتیم اور مسکین بچوں کی پرورش کیواسطے جو بیکسی کی حالت میں پادریوں کے ہاتھ آجاتے تھے یتیم خانہ کھل گیا ہے اسمیں سوا سو سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں داخل ہیں جنکی خوراک و پوشاک کا نہایت معقول انتظام ہے۔ علاوہ ازیں بعض مفلس اور یتیم بچوں کو اسکول و کالج اور مدرسۂ حمیدیہ میں وظیفہ دیا جاتا ہے۔ بعض کو فیس۔ چنانچہ ان سب مندرجۂ بالا کاموں پر پانچ ہزار روپیہ ماہوار سے زیادہ خرچ ہوتا ہے جو ہمدردانِ قوم کے چندوں سے پورا ہوتا ہے۔

سکرٹری انجمن مذکور نے کھڑے ہو کر اغراض و مقاصد انجمن حمایت اسلام بیان کئے اور جمع و خرچ کی اجمالاً تفصیل کی۔ میں نے اسکا مختصر الفاظ میں جواب اور یتیم خانہ کے لئے ایکہزار روپیہ دیا۔ اِس ڈیپوٹیشن کے جانے کے بعد میں بہ معیت رائے بہادر رام سرنداس گارڈن پارٹی میں گیا۔ جہاں بہت سے حضرات موجود تھے سب احباب سے بِلکر مسرت حاصل کی۔

ایک شخص نے کچھ کرشمے اور بازیگری دکھلائی جس سے حاضرین جلسہ محظوظ ہوئے۔ شام کے ۱/۲ ۶ بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔

۲۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء
م ۱۸۔ شہریور سنہ ۱۳۲۲ ف

آج شام کو ایک دوسرا عظیم الشان جلسہ آنریبل رائے بہادر رام سرنداس کی طرف سے ہرکیشن تھیٹر ہال میں منعقد ہونے والا ہے۔ اور ۳ بجے سہ پہر کو ایک ڈیپوٹیشن بھی کھتری کانفرنس سنٹرل کمیٹی لاہور کا آنیوالا ہے۔ میں یہاں سے ۱۱ بجے بسواری موٹر شاہدرہ گیا جہاں جہانگیر شہنشاہ دہلی کا مزار ہے۔ اور اسکے تھوڑے ہی فاصلہ پر نورجہاں بیگم اور اسکے بھائی آصفجاہ کا مقبرہ ہے۔ چونکہ یہ دونوں مقبرے صرف چونے کے بنے ہوئے تھے اب بالکل خستہ حالت میں ہیں۔ گو برٹش حکومت کی طرف سے آثار قدیمہ کا لحاظ کرکے انکی مرمت ہوتی رہتی ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی دلچسپی اور رونق نہیں ہے۔ ہاں تیسرا مقبرہ جہاں شہنشاہ ہند جہانگیر آرام فرما رہے ہیں خالص سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ مقبرے کے وسط میں سنگ مرمر کا مزار ہے جس پر بیش قیمت پتھروں کی پچی کاری کی ہوئی ہے۔ اس کمرے کے چاروں طرف سنگِ مرمر کے دالان ہیں جن میں نہایت نفیس جالی کٹی ہوئی ہے۔ چاروں کونوں پر چار سفید پتھر کے منارے ہیں اور مقبرہ کی چھت بھی جو بہت بڑی اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے پچی کاری سے خالی نہیں ہے مقبرے کے باہر ایک چھوٹا سا خوشنما باغ ہے۔

دو بجے سے پہلے میں شاہدرہ سے واپس آیا۔ ٹھیک تین بجے کھتری کانفرنس

سنٹرل کمیٹی لاہور کا ڈیپوٹیشن آیا جس میں منجملہ اور معزز ممبران کمیٹی کے آنریبل رائے بہادر رام سرنداس پریزیڈنٹ۔ سنگم لال وائس پریزیڈنٹ اور رائے صاحب سانجی مل سکرٹری تھے۔ پریزیڈنٹ صاحب نے ایک مطبوعہ اڈریس پیش کیا۔ جسکی نقل یہ ہے۔

"بخدمت بابرکت راجۂ راجاں مہاراجہ سرکشن پرشاد زندر بہادر۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ یمین السلطنتہ حیدرآباد دکن۔

اے فخر قوم۔ ہم نیازمندان قائم مقامانِ کھتری باشندگانِ لاہور و ممبرانِ کھتری کانفرنس سنٹرل کمیٹی لاہور جناب کی خدمتِ بابرکت میں بدیں غرض حاضر ہوئے ہیں کہ حضور والا کی اس پہلی تشریف آوری پر جملہ کھتریانِ لاہور کی طرف سے جناب کا برادرانہ خیر مقدم کریں۔

جناب والا۔ جبتک آسمان پر چاند اور سورج درخشاں ہیں۔ زمیں پر راجہ ٹوڈرمل وزیرِ بال شہنشاہ اکبر کا نامِ نامی روشن و برقرار رہیگا۔ شہنشاہ اکبر کی صلح کُل اور امن پسند حکومت کا ذریعہ زیادہ تر راجہ صاحب ممدوح ہی تھے اور ہندو قوم بالعموم اور کھتری قوم بالخصوص راجہ صاحب موصوف کے بارِ احسان سے سُبکدوش نہیں ہوسکتی کیونکہ راجہ صاحب کی ہی تلقین و تحریص سے ہندو قوم اور اس کے مختلف افراد نے فارسی زبان کی تدریس شروع کی اور اسطرح سے سرکاری ملازمت کا راستہ اپنے لئے کشادہ کیا۔ راجہ صاحب کے خاندان میں سے

رائے موہنچند صاحب حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور وہاں وہ نام آوری اور اقتدار حاصل کیا جو ہندوستان میں آفتاب کیطرح روشن ہے اور اِسی خاندان کے نیّرِ درخشاں جناب والا کے جدّ امجد راجہ چندو لعل صاحب آنجہانی کا نامِ نامی نہ صرف حیدرآباد دکن کی تواریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہیگا بلکہ تواریخِ ہند میں قابل عزت وو قار رہیگا۔

چنانچہ حضور والا کا خاندان جس طرح حیدرآباد دکن کے امرا میں درجۂ اول کا خاندان شمار کیا جاتا ہے اسی طرح اس خاندان کی نیکنامی، سخاوت، اور دریا دلی شہرۂ آفاق ہے۔

پنجاب میں حضور کی تشریف آوری سے کھتریانِ پنجاب کو بے انتہا فخر حاصل ہوا ہے اور یہ فخر بالکل بجا ہے کیونکہ جس قدر قوم کھتری اس وقت تک بھارت ورش میں پائی جاتی ہے اسکا اصل مسکن بھی خطۂ پنجاب ہے۔ پھر اسوجہ سے کہ جنابِ والا کے وطن قدیم ہونے کا شرف نہ صرف پنجاب کو حاصل ہے بلکہ ضلع لاہور کا موضع "چونیاں" اِس شرف کا خاص مستحق ہے کھتریانِ لاہور فرطِ مسرت سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہی
کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اور یہ سلطنت انگریزی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کہ آج دو صدیوں کے

بچھڑے ہوئے بھائی ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور ایک ہار کے بکھرے ہوئے موتی از سرِ نو تار میں پروئے جاتے ہیں۔ یعنی جناب والا دو صدیوں کے بعد اپنے اصل مسکن میں تشریف لائے ہیں۔ اور آپ کے برادران آپ کو دلی مسرت سے خیر مقدم کہتے ہیں۔

حضور والا۔ آپ جیسے فخرِ قوم کا ممبرانِ قوم میں جلوہ افروز ہونا قوم کی بہتری کی دلیل ہے اور ہم فدویاں قیاس کرتے ہیں کہ اب کھتری قوم کے دِن پھرنے کو ہیں۔ اور صدیوں کا ادبار اس سے دور ہونیوالا ہے۔

یہ امر محتاجِ بیاں نہیں کہ حضور والا کو اپنی پیاری قوم سے دلی محبّت ہے اور حضور کو قوم کی بہتری اور بہبودی کا خیال ہر دم رہتا ہے۔ چنانچہ جب کبھی کھتری کانفرنس سنٹرل کمیٹی کو جناب کے مشورہ کی ضرورت ہوئی ہے جناب نے ہمیشہ اپنے نیک مشورہ سے اسکی امداد فرمائی ہے۔

اِس موقع پر ہم فدویاں مناسب خیال کرتے ہیں کہ کھتری کانفرنس کے متعلق چند اُمور جناب والا کی خدمتِ بابرکت میں عرض کریں۔ کھتری کانفرنس کی بنیاد محض اِس غرض سے رکھی گئی تھی کہ کھتری قوم کے دور افتادہ افراد کو ایک جا کیا جائے اور جو اسباب اِسوقت کے اُسکی یگانگت کے مانع ہیں ان کو رفع کر دیا جائے۔ اسمیں کچھ شُبہہ نہیں کہ کھتری قوم کو اِس امر کا فخر بجا ہے کہ یہ اِن بہادر راجگاں مہاراجگان کی اولاد ہے جن کا نام نامی ہندو تواریخ کے آسمان پر ہمیشہ آفتاب کی طرح درخشاں ہے

اور رہیگا۔ لیکن شومیِ طالع سے قوم کی حالت صدیوں سے بگڑ چکی ہے اور اِسوقت
اسکی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ کھتری کانفرنس کی مقدم غرض کھتری قوم میں یگانگت
کا پیدا کرنا اور کھتری قوم کے ادبار کو دور کرنا ہے۔ کھتری کانفرنس کے آجتک نو
اجلاس مختلف مقامات پر منعقد ہو چکے ہیں۔ ہم فدویان کو دلی افسوس ہے کہ بوجہ کثرتِ
کاروبار و دیگر بواعث کے حضورِ والا نے اِس وقت تک کسی اجلاس کو اپنے قدوم
میمنت لزوم سے رونق نہیں بخشی۔ جنابِ والا کو غالبًا یاد ہوگا کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں جب
شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کا دربار تھا اور حضور والا دہلی تشریف فرما ہوئے تھے
تو ہم نیازمندان جنابِ والا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے لیکن بوجہ حضورِ والا
کی مصروفیتِ کار کے کانفرنس کو فخر قدوم حاصل نہ ہوا۔ تاہم حضور نے اپنی ہمدردی
کا اظہار واضح طور پر کر دیا۔

کھتری کانفرنس کے مقاصد کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور مقاصد کی انجام دہی
بھی کچھ آسان نہیں کیونکہ صدیوں کے نقصانات اور جہالت کو دور کرنا ایک روز کا کام
نہیں۔ کانفرنس کو اگر ضرورت ہے تو صرف ایسے کھتری بزرگوں کی ہے جو اپنی نیک
اور پختہ کار صلاح سے اُسے درست راستہ پر چلا سکیں اور قومی بہبود و اصلاح کی تجاویز
سوچیں اور اُن کو زیرِ عمل لانے میں اُسکی امداد کر سکیں۔ کانفرنس کے پاس صرف
ایک اوپدیشک ہے۔ جو بلحاظ اسکی وسعت کار کے کافی نہیں ہے۔ امداد بیوگان
و تعلیم و تربیتِ یتیماں و نوجواناں کا کام نہایت وسیع ہے۔ لیکن بوجہ کمی سرمایہ اُنکی

طرف زیادہ توجہ نہیں کی جا سکتی۔ کانفرنس کی مالی حالت تسلّی بخش نہیں ہے اور جو کچھ اسکی گزران ہے وہ صرف اُس عطیۂ ماہوار پر ہے جو اسکو حضور مہاراجہ صاحب بہادر بردوان کی سرکار سے مرحمت ہوا کرتا ہے۔

اِس میں تو کچھ شبہہ نہیں کہ بقول حضور والا "ہماری قوم کیا بلحاظ تموّل اور تعداد کے اور کیا بلحاظ اولوالعزمی اور ہمتِ مردانہ کے برّاعظمِ ہندوستان میں گھٹی ہوئی نہیں ہے" لیکن افسوس تو اِس امر کا ہے کہ مدبّران اور اکابرانِ قوم نے ابھی تک اِدھر توجہ نہیں فرمائی۔

حضورِ والا کی موجودگی سے ہم فدویان کو اُمید ہے کہ مُردہ روحوں میں جان آجائیگی اگر حضورِ والا نے تھوڑی سی بھی توجہ اِدھر مبذول فرمائی تو ڈوبی ہوئی ناؤ ساحلِ مراد پر پہونچ جاوے گی۔

ہم نیازمنداں ایک بار اور حضور والا کو اِس تشریف آوری کے موقع پر خیر مقدم کہتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ حضور والا اپنے وطنِ قدیم کو بھول نہ جاوینگے اور اُسکی بہتری و بہبودی کے لئے اور آپ کے اس موقع کی تشریف آوری کی یادگار میں ایک مستقل نشان چھوڑ جائیں گے۔

ہم آپ کے نیازمندان کارپردازان
سنٹرل کھتری کانفرنس کمیٹی۔

آنریبل رائے بہادر رام سرن داس پریزیڈنٹ۔
سنگم لال وائس پریزیڈنٹ۔
رائے صاحب سانجی مل سکرٹری۔

چونکہ وقت بہت کم تھا مجھے اُس عظیم الشان جلسہ میں بھی جانے اور تقریر کرنے کے لئے تیار رہنا تھا جو میرے دوست آنریبل رائے بہادر رام سرنداس نے ہریکشن تھیٹر ہال میں منعقد کیا تھا لہذا اس اڈریس کا جواب مختصر الفاظ میں احباب کی مہربانی اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرکے اِس کمیٹی کے اغراض و مقاصد سے اتفاق وہمدردی ظاہر کی اور اُسکے تفصیلی جواب کو جلسہ کی تقریر پر منحصر رکھا۔

۶½ بجے میں اپنے بعض معزز احباب کی معیت میں دو مصاحبوں اور دو خدمتیوں کے ساتھ تھیٹر ہال میں گیا۔ یہ ہال بڑے سلیقہ سے سجایا گیا تھا۔ اور حضار سے بھرا ہوا تھا جس میں ہندو مسلمان شرفا و معززین نے اپنی اخلاقی مہمان نوازی میں حصہ لیا تھا۔ ہال میں میرے پہونچنے پر احباب نے چیرز کے ساتھ اپنی اظہار مسرت اور یگانگت کا ثبوت دیا۔

ڈاکٹر سر پرتول چندر چٹرجی نے آج بھی بہ حیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں باشندگاں لاہور کی طرف سے پنجاب میں میرے آنے پر گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ان کے بعد آنریبل رائے بہادر رام سرنداس و ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا و مسٹر اکبر عمر بیرسٹرایٹ لا و آغا حشر کاشمیری و جالب صاحب جائنٹ اڈیٹر پیسہ اخبار نے نہایت جوش اور سنجیدگی ساتھ پُرمعنی تقریریں کیں اور ہر اک نے اپنے حُسن ظن کی میرے خاندانی اعزاز و خدمات و خطابات پر روشنی ڈالی۔ اِن کے بعد مشہور فصیح البیان پنڈت دین دیال شرما نے ایک زبردست اور موثر الفاظ میں تقریر کی اور میری محبت کے

جوش میں اُن اعتراضوں کا کافی جواب دیا جو بعض پرچوں نے اپنی تنگدلی سے میری نعت گوئی پر وارد کیئے تھے اور میرے مذہب اور مشرب پر معترض تھے۔ بعد ان سب کے میں اپنے احباب اور ہندو مسلمان بھائیوں کی خدمت میں کھڑا ہوا اور ان آپ پرچوں اور تقریروں کے جواب میں جو تقریر کی وہ ہدیۂ ناظرین ہے:۔

معزز حضرات

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

(۱) سب سے پہلے میری یہ عرض ہے کہ مجھے آپ صاحبوں کے روبرو کچھ کہتے ہوئے حجاب آتا ہے۔ حکمت بہ لقماں آموختن والی مثال اظہارِ مدعا کی جرأت نہیں دلاتی تاہم محض محبت کی وجہ سے اپنے خیالات کو جو میرے قلب ور دماغ میں امانت ہیں بے تکلفاً آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(۲) اسکے ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ میرے خاندان کو گولاہوری ہونیکا فخر حاصل ہے۔ لیکن میری خاص پیدایش حیدرآباد دکن کی ہے۔ اس لئے میری زبان کیا اور میں کیا۔ عرضِ حال میں اگر کسی قسم کی غلطی زبان یا محاورہ کی ہو جائے یا جوشِ مسرت اور بے تکلفی کے باعث کوئی لفظ گستاخانہ منہ سے نکل جائے تو بصداق

برمن منگر بر کرمِ خویش نگر

معاف فرمایا جاؤں۔

(۳) آپ بھائیوں نے براہِ محبت اِس فقیر کی مسافر نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا جو میرے لئے باعثِ فخر ہے آپ حضرات کو معلوم ہو گا کہ میرے خاندان کا سلسلہ راجہ ٹوڈرمل وزیر مال شہنشاہِ اکبر سے (جنکی لیاقت اور قابلیت اور مدبّری کا سکّہ دلوں پر پڑا ہوا ہے) چلا آتا ہے۔ اسکے بعد میرے جدِّ اعلیٰ مہاراجہ چندولعل لاہوری کا نام آتا ہے جو آصفجاہی کہلاتے ہیں۔ پس سمجھ لینا چاہیئے کہ پانسو برس سے میرا خاندان مسلمان تاجداروں کی نمک خواری کا شرف رکھتا ہے۔ اگر میں اپنی خاندانی موروثی نعمت کو یعنے مالک اور ملک کی خیر خواہی اور وفا شعاری اور آقا پرستی کو نہ نباہوں تو ظلم ہے۔ اور اس آئین وفا کے خلاف ہے۔ جسکی پابندی میرے آبا و اجداد کے لئے ہمیشہ سے سرمایۂ افتخار رہی ہے۔

بیشک (کھتری النسل) سپاہی نژاد ہوں لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا میرا مذہب صوفیانہ رہا میرا ایمان توحید اور مشرب صلحِ کُل رہا ہے۔ اور انشاء اللہ رہے گا۔

بریں زیستم ہم بریں بگزرم

مجھے اسلام کے ساتھ اسلیے اُنس ہے کہ میں سچے دل سے اپنے ملک اور مالک سے محبت رکھتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں انشاء اللہ تعالیٰ رہوں گا۔ میرا تعلق ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ جسم کا تعلق روح کے ساتھ اور

روح کا تعلق جسم کے ساتھ۔ اگرچہ بعض احباب میرے طریقِ زندگی کو بہ نگاہِ استحسان نہیں دیکھتے رہے لیکن میں اِن حضرات کو معذور سمجھتا ہوں۔

جنگِ ہفتاد و دو ملّت ہمہ را عذر بنہ

چوں ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زوند

میری یہ باتیں اگر پسند نہ آئیں تو مجذوب کی بڑ سمجھکر معاف کیجئے۔

(۵) جو احسان مجھ پر اس غریب الدیاری میں آپ کی جانب سے ہوئے انکی سپاسگزاری محال ہے۔ لیکن بھائیو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ صرف مجھ ایک فقیر کی مسافر نوازی سے ملک اور اسکے باشندوں کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ اہلِ ملک آپس میں اتفاق اور ایک دوسرے کی عزت اور سچّی ہمدردی اختیار نہ کریں۔

اب میں اپنے بھائیوں کی خدمت میں اِس طول کلامی اور سمع خراشی کی معافی چاہکر خدا حافظ عرض کرتا ہوں۔ اور پھر اِس فقرہ کو دوہراتا ہوں کہ یار زندہ صحبت باقی۔ خدا ایسا وقت بہت جلد لائے کہ مجھے اپنے بھائیوں اور احباب کے خدمتگزاری کا شرف حاصل ہو۔

یہ امر آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کی روزانہ اور ہر وقت یہ تمنا رہتی ہے کہ چار عناصر میں اتفاق رہے جس سے وجود کی سلامتی میں برہمی نہو اور جب کسی عنصر میں اختلاف ہوا فوراً ہم اسکی اصلاح کی طرف ڈاکٹروں اور حکیموں نے

رجوع کرتے ہیں۔ ہم اپنے گھر میں روزانہ اپنی بی بی اور بچوں اور خویش و اقارب کو اتفاق سے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اسلئے کہ آپس کی نا اتفاقی گھر کی بربادی کا سبب نہو مگر افسوس کہ ملک اور حکومت کی حفاظت و استحکام کے لئے ہندوستان کی مختلف قومیں آپس ہی میں اتحاد نہیں کرسکتیں جسکی ملک کو اسوقت سخت ضرورہے۔

پس اے برادرانِ پنجاب! اپنے خیالات اور طرزِ عمل میں صلاح کرو اور آپس میں ایسا زبردست پیمان باندھو جو کسی قوی سے قوی انقلاب سے بھی متاثر نہو سکتا ہو اور جو اس عالمِ کون وفساد کے مصاف پیہم میں آپ کے لئے باعثِ قوت و استحکام ہو۔ میرے دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا کا اِک شعر ہے۔

نظارۂ کہکشاں نے مجکو عجیب نکتہ یہ کل سُجھایا
ہزار گردش رہی فلک کو مگر یہ تارے بہم رہے ہیں

بھائیو۔ آپ نے اِس مبارک اُصول زندگی کو محض معمولی اغراض کی خاطر ہاتھ سے دیدیا جسکی وجہ سے ہندوستان کے عام انسانی برادری کا شیرازہ کھل گیا اور ایک ہی سرزمین کے پیدا ہونے والے ایک ہی زبان بولنے والے ایک ہی طریق پر زندگی بسر کرنے والے ایک ہی حکومت کے سایہ میں رہنے والے باوجود اتنی باتیں مشترک ہونے کے ایک دوسرے کے لئے اغیار و اجانب ہوگئے یہانتک کہ دیرینہ شکایت و رقابت کا دفتر پھر کھولا گیا اور مغائرت کی خلیج کو وسیع تر کردیا گیا۔ لیکن بقول اقبال کے

چمن میں اے ہم صفیر اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا
خزاں کا دورہ ہی گلستاں میں نہ تو رہا ہے نہ ہم رہے ہیں

یہ زمانہ جبکہ برٹش راج کا ہم سب کے سر پر سایہ ہے ہمارے لئے نہایت ہی غنیمت ہے ہم سب کو اسکی قدر کرنا چاہیئے اور اس صلح کُل حکومت کے فیوض سے متفق ہو کر بہرہ اندوز ہونا چاہیئے۔

اَب میں اپنے اِن معزز احباب کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ کی نعت کرنے کی وجہ سے میرے موحدانہ وصوفیانہ کیرکٹر پر حملہ کیا ہے پہلے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اسکے بعد انکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپنے مجھے کیوں نشانۂ اعتراض بنایا آخر اخلاق بھی کوئی چیز ہے۔ یہ اخلاق ہی کی خوبی ہے کہ آپس میں کسی ہندو اور مسلمان کی دوستی اور یکجہتی ہو جاتی ہے تو کسقدر بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے اعزا و اقارب کی دل سے عزت اور تعظیم کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے یہیں آکر یہ بات سُنی کہ ابتک شادیوں کے موقع پر یہ دستور ہے کہ لڑکی والوں کی طرف جو مہمان آتے ہیں وہ اپنے میزبان کے پاس کھانا نہیں کھاتے اسکا اصلی مقصود یہ ہے کہ گویا اپنے دوست کی لڑکی کو اپنی لڑکی سمجھتے ہیں اور جس قدر مہمان شریک ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو گویا اِس لڑکی کے عزیز و قرابتدار سمجھتے ہیں سبحان اللہ کس قدر حسن اتفاق اور یکجہتی کا ثبوت ہے۔

مگر واے برحالِ ما کہ دنیوی اغراض کے لئے تو ہم اتفاق کو اسقدر فروغ دیں اور اکابرادیاں اور پیشوایانِ مذاہب کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آئیں حصولِ مقاصد اور اغراض پورے ہونے کے لئے ہم بلاتعیّن ملّت و مذہب ہر افسر اور ہر عہدہ دار

اور حاکم اور بادشاہ کی عزت اور عظمت کریں ان کے قوانین کو اپنے شرعی قوانین کے برابر جگہ دیں۔ اس پر عمل کریں اور انکی خوشنودی کو خدا کی خوشنودی اور سعادتِ دارین سمجھیں مگر اکابر اور رسل اور رہادیان و پیشوایانِ مذاہب کی تعظیم کو باعث تباہی ایمان اور بربادیِ دین اور خرابیِ اخلاق سمجھکر اپنے آپ کو خدا کا معتوب بنائیں۔

کیا ان پیشوایانِ مذاہب اور رسلانِ ملت کی عزت افسر اور حکام سے بھی گئی گذری ہوئی۔

جب آپ اپنے دوست کی خاطر اسکے اعزا و اقارب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں تو کیا اخلاق اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ آپ اپنے دوست کے اکابر دین و پیشوایان مذہب کی بھی تعظیم کریں۔

کیا ان اکابرِ دین کا رتبہ آپ کے دوست کے اقارب سے بھی کم ہے۔

نہیں نہیں اے خدا کے ماننے والے ہندو اور مسلمانوں صرف خدا کو ایک کہنے سے موحد نہیں کہلاؤ گے بلکہ حقیقی توحید یہ ہے۔

واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

اے بھائیو سب کو ایک سمجھو اور ایک جانو۔ ایک دیکھو جس طرح تم اپنے دوست کی خاطر اسکے بچوں کو اپنے عزیز اور اسکے رفقا کو اپنے رفقا اور اسکے دوستوں کو اپنے دوست سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو اور اسکی خوشنودی کو اپنی خوشنودی اور

اسکے غم کو اپنا غم اور اسکے رنج کو اپنا رنج سمجھتے ہو اور شادی و غم دونوں حال میں اُسکے شریک ہوتے ہو اسی طرح آپس میں سب کے ساتھ یہی برتاؤ رکھو اور سب کے پیشوایانِ مذہب کی وہی عزّت کرو جیسے کہ تم اپنے ایک دوست کے بزرگوں کی عزّت و تعظیم کرتے ہو۔

اے بھائیو۔ اگر آپ ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزّت و تعظیم کو اپنا اُصول زندگی نہیں ٹھہرا سکتے تو تمھاری تعلیم سے کیا اخلاقی فائدہ نکلا۔ تعلیم کا مقصد نزا روٹی کمانا نہیں بلکہ اسکی اصلی علت غائی اخلاقِ حسنہ ہے جس سے انسان کی زندگی میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے اور انسانی روح کا آئینہ ہر قسم کے زنگ سے مُجلّا و مُصفّا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو تعلیم بے سود۔ لکچر بے سود۔ اور بڑے بڑے مدعیانِ اصلاح کی تقریرین بے سود اور رزولیوشن بے سود۔ تعلیم کو ٹھیک راستے پر چلاؤ تاکہ اُس سے اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں اور بچوں میں اس محبّت اور یگانگت کی روح پیدا کرو جو تمھارا آبائی مشرقی خاصہ ہے تاکہ ہم دُنیا کی اقوام میں مطعون نہوں۔ مجھے یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ پنجاب میں تعلیم رو بہ ترقی ہے اور یہاں کے لوگ انگلستان کے فیضِ جاریہ سے مستفیض ہو رہے ہیں البتہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ پرائمری تعلیم کی ابھی اس صوبہ میں کمی ہے جو اس صوبہ کے نکتہ دانوں کی نگاہ سے مخفی نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ کمی جلد پوری ہو جائیگی لیکن میں اس قدر عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ پرائمری تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم اور اس ملک کی قدیم صنعتوں کی حفاظت کی

بھی بہت ضرورت ہے ورنہ ہماری عجیب و غریب صنعتیں جو کبھی دیگر اقوام کے لیے سرمایۂ حیرت و استعجاب تھیں اور اب بھی ہیں نیست و نابود ہو جائیں گی۔ بہر حال علوم قدیمہ و جدیدہ سیکھنے میں ہمکو خُذ ما صَفَا وَدَعْ مَا کَدَر کو عمل میں لانا چاہیئے اور اپنے بزرگوں کی طرح سفرِ دور دراز سے جواہر زواہر علوم کو فراہم کرکے اپنا ملکی خزانہ بھرنا چاہیئے اور اپنے شہنشاہ اور ملک کے کام کرنے کے لیئے اپنے آپ کو ہر وقت ہر طرح سے مستعد بنانا چاہیئے۔ میں نے نہایت صفائی اور بے تکلفی سے اپنے دلی جذبات اور دوستانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپنے مجھے بڑا وقت دیا اور اپنی توجہ سے میرے خیالات کو سُنا۔

اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اگرچہ بظاہر میرا وجود آپ سے دور رہیگا مگر روحانی تعلقات ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گے۔

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

جو کچھ آپ صاحبوں کے خدمات مجھ سے ہو سکیں گے حتی الامکان ان خدمات کے بجالانے میں میری طرف سے انشاء اللہ کوتاہی نہو گی اور یہ خدمتگزاری میرے لیے ہمیشہ سرمایۂ افتخار و ناز رہیگی۔ میرے غیاب میں خدا تعالیٰ مجھے یہ خوشخبری سُنا کر دلشاد کرے کہ یہاں کے کُل اقوام شیر و شکر کی طرح یگانگت سے بسر کر رہے ہیں اور ایکایت کی برق تجلّی سے دوئی کا خرمن جلکر خاکستر ہو گیا ہے۔

اَب میر اسلام و نیاز قبول فرمائیے۔ خدا حافظ عرض کرتا ہوں یار زندہ صحبت باقی بھگوان نے چاہا تو ضرور کبھی کبھی اپنے ہموطن بھائیوں کی ملاقات سے شرف حاصل کرنے کے لیے ضرور رہا تنک سفر کیا کروں گا پرماتما اِس ارادہ کو پورا کرے۔

چونکہ میں نے مذکور تقریر کو بہت وضاحت کے ساتھ تحریراً مرتب کیا تھا مگر وقت تنگ ہونے کے باعث مختصر کردیا جس قدر حصّہ فروگذاشت رہا وہ ضیافت طبع ناظرین کے لیے درج ذیل ہے۔

حضرات۔ ترقی علی العموم شخصی ہو یا قومی بہرحال ایک امر اضافی ہے اور تمام دُنیا بلکہ تمام عالم کے اسباب پر موقوف ہے جن میں بہت ایسے ہیں کہ انسانی قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ مثلاً دُنیا میں کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ آب و ہوا پر اختیارِ کُلّی رکھتا ہے حالانکہ جسمانی صحت کا مدار آب و ہوا پر ہے اسیطرح اور دوسرے اجرام فلکی کا اثر اس کرۂ زمین پر معلوم نہیں کہ کیا کیا ہے اور انسانی وجود اس سے کسقدر موثر ہے۔

چونکہ دُنیا عالمِ اسباب ہے اور ہر شخص فعلاً اسی کا قائل ہے کہ اس کے اُمور اسکی دماغی تدبیروں پر منحصر ہیں انسان نے اپنی ضروریاتِ زندگی کیلئے اُن ایجادات واختراعات کا سرمایہ بہم پہونچا لیا ہے جن کا قبل از وقوع وہم وگمان بھی نہ تھا۔ لہذا اسبابِ ترقی کی تشخیص اور جستجو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھی جاتی ہے۔

مگر ان اسباب اور اُن کے ذرائع کی روشنی سے وہی شخص کسبِ ضیا کرسکے گا جو قومی ترقی کو اپنی اقبالمندانہ کامیابی کا جوہر سمجھے گا۔ اور جو اس امر کو منصبی خدمت تسلیم

کرلیگا کہ بنی نوع کے ساتھ ہمدردی کرنا گویا قانونِ قدرت کی تقلید کرنا ہے

اس وقت ہندوستان میں تینتیس ۳۳ کروڑ آدمی ہیں جو مختلف المذاہب و مشاغل ہونے کے اعتبار سے بھی انسانی نوعیت کے لحاظ سے ایک ہی کتاب کے اوراق تسلیم کیئے جا سکتے ہیں۔ مگر دُنیاوی ترقی میں ہمکو مایوس ہو جانا پڑتا ہے جبکہ اپنی قوم میں اُن مصلحانِ قوم کی تعداد میں کمی پاتے ہیں جو دُنیاوی ترقی میں ہمارے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کر سکیں۔ اگرچہ مجھے اِس انکارِ محض سے بھی اپنی کوتہ نظری کا اقرار کرنا پڑے گا مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ قومی ترقی سے شخصی ترقی کو ایک حد تک ترجیح بِلا مرجح سمجھ لیا گیا ہے ایسے لوگ فی صدی پانچ بھی شاید ہی نکلیں جو اپنی کامیابیوں کا اپنی درماندہ قوم پر بھی کچھ اثر ڈال سکیں۔

معزز حضرات۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایکسا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

زمانہ کے تغیّرات عام طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ باعتبار ہر قوم اور ہر ملّت کی ترقی و تنزّل کے یہ دُنیا آئے دن کی تبدیلیوں کا اکھاڑا ہے جسمیں مہذب اور غیر مہذب دونوں طاقتیں اپنے اپنے یادگار اور برآوردہ کارناموں کے آئینے دکھا رہی ہیں۔ مگر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ گزشتہ یا بعض موجودہ ترقی یافتہ قوموں نے کون سے ایسے ذرائع اپنے تجربات کی دماغی قوت سے بہم پہونچائے اور کن ایسے وسائل سے ترقی میں

کامیابی حاصل کی جو بلحاظ زمانہ کی رفتار کے اسکے واسطے ہر طور پر مفید ثابت ہوئے غائر نظر ڈالنے پر کتنے ہی ایسے اسباب پر نظر جاتی ہے جن پر قومی ترقی کا انحصار ہے مگر میں ان سب سے قطع نظر کرکے اُن دو سببوں کو پیش کرتا ہوں جو عام خیالات کو مقناطیسی قوت سے اپنی طرف کھینچتے ہیں جنمیں پہلا اتفاق ہے اور دوسرا علم۔

اتفاق محتاج صفت نہیں انسان فطرتاً اِسکا محتاج بنایا گیا ہے اگر ایک آدمی چاہے کہ وہ تن تنہا رہکر اپنے حوائج کے دشوار گذار مرحلے طے کر لے تو ایک دن بلکہ ایک ساعت بھی اسکو اپنی زندگی کے لالے پڑجائیں حکیم علی الاطلاق نے اِس اتفاق کا سبق ابتدا ہی سے تعلیم کرنے کے لئے انسان کو اپنی وسیع اور غیر محدود قدرت سے ایسی حیثیت پر ایسے عالم میں پیدا کیا ہے کہ مناقق سے منافق کو بھی کم سے کم دو ڈیڑھ برس مرضعہ اور اسکے بعد شباب کی جنون خیز سرحد پر پہونچنے تک اپنے دوسرے محبت جتانیوالوں سے محبت رکھنا پڑتا ہے اور اِس مدت میں انسان پر اپنے ما یحتاج اعانت ہونے اور اتفاق کے نازک مسئلہ کو ایک امر قابل التسلیم واجب العمل سمجھنے کی ضرورت بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔ سن تمیز کو پہونچکر بشرطیکہ وہ قدرتی طور پر ایسے عقلی زیور سے آراستہ ہو جس کی روشنی میں وہ اُن چیزونکو امتیاز کرسکے جو اُسکے آرام و آسائش کے لئے مہیا کی گئی ہوں اِس پیچیدہ اور نازک مسئلہ کو حل کرسکتا ہے کہ انسانیت کا شیوہ اختیار کرکے انسان تن تنہا دنیا میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ مرتبۂ کمال کو پہونچنا اور مایحتاج انسانی کو بہم پہونچانا اور نوع انسان کو قائم رکھنا تو درکنار تنہا رہکر وہ اپنی عزیز جان بھی چند منٹ تک محفوظ

رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

مگر چونکہ یہ امر زیادہ تر قابلِ غور و لحاظ ہے کہ یہاں مختلف اقوام و مذاہب اور ایسے متناقض و متخالف اغراض و مقاصد کے لوگ پائے جاتے ہیں کہ اُن میں باہم گر عام اتفاق کا ہونا اس زمانہ میں تو دشوار اور آئندہ کے لیے بھی ایک سخت مشکل ہے۔ ہندو مسلمان۔ پارسی۔ یہودی۔ اور اُن کے بے شمار طائفے اور قبیلے اور ہر ایک قوم کے بیشمار مذاہب اور ہر مذہب کے لاتعد ولاتحصے مشاغل و مطالب اور پھر بوجہ اُس عام آزادی کے جو اسوقت ہر شخص کو قانوناً بدرجۂ مساوی دیگئی ہے ہر متنفس کو ہر امر میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو اور سینہ بہ سینہ چلنے کی خواہش ہے پھر اس صورت میں اتفاق کی گتھی کیونکر سلجھ سکتی ہے اور کیونکر یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے

ایسی حالت میں اتفاق پیدا کرنے کا اصل طریقہ اگر کسی کے امکان میں ہے تو سب سے پہلے انجمنوں۔ سوسائٹیوں۔ کلبوں کا قائم کرنا ہے اِن کے قائم ہو جانے پر جو اُمور سب سے مقدم اور ضروری ہوں اور جنکی درستی و اصلاح آبادی کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہو موضوع اتفاق قرار دی جائیں اور جب اِن میں سے کسی ایک موضوع کے ذریعے سے کسی ایک یا چند امرائے جماعت کے ذریعے سے جماعت ہر ہر فرقہ کے لوگوں میں پیدا ہو جائیں گے اور جنکو اپنی قوم یا قبیلے کے عام لوگونکے ہر ایک ضروری امر کے بیان کرنے کا آسان اور سہل ذریعہ حاصل رہے گا۔ اور عام اتفاق کی کامل کوشش ہو سکے گی۔ اگر عام اتفاق کے موضوعات میں اِن

لوگوں کے فوائد متصور ہوں گے تو یقین ہے کہ انمیں اکثر اتفاق پر مائل ہونے کا موقع پائیں گے اور جس کام کو وہ کرنا چاہیں گے گو وہ کتنا ہی دشوار کیوں نہو نہایت آسانی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔

اگر اسپر بتدریج عمل کیا جائے تو ممکن نہیں کہ قومی اتفاق کا ستارہ اُسی اوجِ اتفاق پر نہ آجائے جس پر اور قومیں بلند پروازیاں دکھا کر ترقی کے مدارج طے کر رہی ہیں۔ ہاں اگر ہم ہی اپنی ناعاقبت اندیشی سے اِس کو خیال میں نہیں لاتے تو ضرور ہے کہ کسی ایسے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں جسکی بدنما رنگت ہماری ہستی کے لیے ادبار کا جامہ ہوتی جاتی ہے۔

مشاطہ را بگو کہ براسباب حُسنِ یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

دوسرا سبب تعلیمی ترقی ہے جسکی کمی نے ہماری قومی سوشیل و تمدّنی حالت کو خراب کر رکھا ہے۔

دُنیا میں کتنی تبدیلیاں ہوئیں۔ کِس کِس طرح کے فیشن اختیار کیے گئے۔ کِس کِس رنگ کی ایجادوں نے دُنیا کو آراستہ کیا مگر ایک علم ہی وہ غیر محدود اور مستقل ترقی ہے جسکی وسعت زمانہ کی رفتار کے پہلو بہ پہلو بڑھ رہی ہے۔ تمام ایجادات وصنائع بلکہ ہر قسم کی دُنیاوی اقبالمندیوں کا انحصار اِسی ترقی پر ہے اور ہر ملّت کی ترقی کیواسطے ہندوستان کے ہر حصّہ میں اسیکا مایوسانہ راگ گایا جا رہا ہے۔

جس ملک یا جس قوم پر علوم کے آفتاب کے چمکیلی شعاعوں کا پُر نور عکس پڑا ہے اُس نے اپنی روشن دماغی سے تہذیب۔ شائستگی۔ ہمدردی۔ حُب الوطنی۔ صلح پسندی۔ ارتباط قومی یا مختلف اقسام کی صنعت۔ حرفت۔ تجارت۔ زراعت وغیرہ میں اپنے مدِ مقابل ملک وملّت سے گوے سبقت لیجا کر آئے دن کی روز افزوں ترقیوں میں امتیازِ خاص حاصل کر لیا ہے۔

علم ہی وہ شجر ہے جسکی سرسبز اور شاداب شاخیں دنیاوی ہر طرح کی کامیابی کے خوشنما میوے لدے ہوئے ہیں۔ مگر ہندوستان کی آب وہوا اس سدا بہار درخت کے لیے کچھ ایسی ناموافق ہوگئی ہے کہ بجائے نشوونما پانے کے اُسکی ہری ہری ڈالیاں بدشوقی وکاہلی کے تیز جھونکوں سے روز بروز مُرجھائی جارہی ہیں۔ علم ہی ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جسکی تہ میں سویلزیشن اور تہذیب کے لاکھوں بلکہ کروروں چمکدار موتی پڑے ہیں۔ لیکن یہ دریا اپنا پُرانا نشیب چھوڑ کر کہاں سے کہاں پہونچا اللہ اللہ ہند سے یوروپ پہونچا اور کن پرجوش لہروں سے وہاں کے جہل ونفاق کو بہائے لئے جارہا ہے۔ ہندوستان کا پچھلا علمی چرچا ایسا نہیں ہے جس کو زمانہ اپنی صدیوں کی گردش میں بُھلا سکے۔ اِسی دریا کے پانی کی تاثیر سے گزشتہ زمانہ میں کیسے کیسے علماے متبحر گذر گئے جو افتخارِ قوم اور سرآبروردۂ ملک وملّت سمجھے جاتے ہیں اور جنکی روز افزوں ترقیوں سے ملک کی تہذیب وشائستگی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ ترقی تھی جسکی بدولت ہندیوں نے جبر ومقابلہ میں مصریوں یونانیوں کو شرمایا

منطق اور فلسفہ میں کوس لمن الملک بجایا۔ وہ شائستگی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں تک تربیت یافتہ ہوتی تھیں یا ایک یہ زمانہ ہے کہ مرد ہی اِس ناپیدا کنار دریا سے ہاتھ دھوئے ہوئے اور کنارہ کیئے ہوئے ہیں تا بہ نسواں چہ رسد۔ اور ایسی حالت میں قومی یا مُلکی ترقی کیسی۔

لگائے ٹھٹ کھڑی ہے نامرادی
تمنّائے دلی نکلے کدھر سے

تعلیمِ نسواں کی ضرورت قومی یا ملکی ترقیات کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے اِس تعلیم کا فائدہ عورتوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اِس آفتاب کی کرنوں کی جھلکیاں مردوں کے طرزِ معاشرت پر بہت کچھ پرتو ڈالکر فائدہ پہونچا سکتی ہیں۔ تربیت یافتہ بیوی اپنے شوہر کو بمرتبہ خوش رکھ سکتی ہے۔ ناخواندہ عورت دوستِ جاہل ہے۔

جو لوگ تعلیمِ نسواں کو معائبِ شرافت و مخربِ اخلاق جانتے ہیں۔ ہم اُن سے تین سوال کرتے ہیں۔

(۱) تعلیم نسواں شرعًا یا شاستراً جائز ہے یا ناجائز۔

(۲) گذشتہ زمانے میں ہندو مسلمانوں میں تعلیم النسا کا رواج تھا یا نہیں۔

(۳) یہ تعلیم کب سے اور کیوں موقوف ہوئی۔

امر اوّل و دوم کی نسبت متفق اللفظ آوازیں آئیں گی کہ تعلیم نسواں ہرگز ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ ہر مذہب و ہر ملّت میں حکم واجب کا رکھتی ہے۔ اگر

شرعی قانون عورتوں کی تعلیم کا حریف ہوتا تو گذشتہ زمانہ میں اہل ہنود و اہل اسلام کی وہ عورتیں جو مقدسہ سمجھی جاتی ہیں اور جو واقع میں اس لائق تھیں کہ اُن کے نقش قدم پر چلیں اور اُنکی چال چلن کو اپنا دستورالعمل بنائیں علم و فضل سے ضرور محروم رہتیں۔ شرعی قوانین کو عام اِس سے کہ مرد ہو یا عورت نہیں سمجھ سکتا جبتک اسکی دماغی تاریکی علم کی روشنی سے نورانی نہو۔

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

تعلیم النساء کا رواج ہند میں اِس سبب سے کم ہو گیا کہ اہل ہند عام اِس سے کہ ہندو ہوں یا مسلمان رفتہ رفتہ کاہل ہوتے گئے اور عیش و عشرت میں پڑ گئے آج ہندو مسلمانوں کے شریف زادے اور شریف زادیاں دینیات سے محض بے خبر یہاں تک کہ اپنے مذہبی فرائض کے اوا کرنے میں بھی قاصر ہیں۔

عورتوں کو عموماً ناقص العقل کہا جاتا ہے مگر یہ الزام اُسی وقت تک ہے کہ جبتک انکی تعلیم میں مزاحمت کی جاتی ہے اگر انکو تعلیم دیجائے اُسوقت مقابلہ کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں ذہین ہیں یا مرد۔ اگر فی الحقیقت وہ ناقص العقل ہوتیں تو مدارس میں لڑکیاں ایسی ترقی نہ کرتیں جیسی کہ اُنھوں نے کی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ عورتیں مردوں سے ذہن و ذکاوت میں کسی طرح کم نہیں۔ صاحب ڈائرکٹر مدارس بنگال و مدرس وغیرہ افسرانِ اعلیٰ کی رپورٹ سال تمام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس میں لڑکیوں نے نمایاں ترقی کی اور لڑکوں سے بڑھ گئیں۔ عورتوں کی

ناقص العقلی اگر تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیجائے تو خلقی نہیں اُن کو تحصیل و اکتساب فنون کی قابلیت حاصل ہی مگر اُن کو جابرانہ طریقہ سے روکا جاتا ہے۔ تعلیم نسواں کے مزاحم یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دینا اُنکی اخلاقی خرابیوں میں اُنکو مدد دینا ہی ماشاء اللہ کیا خوب اعتراض ہے علم و فضل پر بدگمانی کے ساتھ الزام لگایا جاتا ہے۔ کیا علم کا یہی خاصہ ہے کہ وہ اچھے کو بُرا بنا دے۔ تعلیم نسواں کے فوائد میں پہلا فائدہ یہ ہے کہ عورت اگر تربیت یافتہ ہو گی تو اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے عمدہ تعلیم دیگی۔ اخلاق سکھائیگی اوائل عمر میں جس قدر عمدہ تعلیم لڑکے اپنی ماں سے پا سکتے ہیں وہ کسی اور طرز پر ممکن نہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ نسواں علم برق میں برّاق ہوں جر اثقال سیکھیں تمام علوم کے دشوار گذار مرحلے طے کریں بلکہ اخلاق کی نادر کتابیں پڑہیں کفایت شعاری کے رسالے مطالعہ کریں مذہبی کتب معقول کو غور سے دیکھیں حساب و کتاب سے واقف ہوں گھر کا خرچ آسانی سے لکھ سکیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ابتدا ہی سے تعلیم دے سکیں جو اطفال کہ لائق اور تربیت یافتہ ماؤں کے کنار میں پرورش پائیں گے۔ بیشک وہ آگے چلکر اپنی تہذیب و شائستگی میں گوے سبقت لے جائیں گے کیونکہ کم سنی میں بچے اپنی ماں کی خو بو عادت رنگ ڈھنگ کا تتبع کرتے ہیں اور یہ خو بو بڑھ کر قریب قریب طبیعت ثانی کے ہو جاتی ہے۔

۲۵- جولائی ۱۹۱۳ء
۲۹- شہریور ۱۳۲۲ف

آج میں اول وقت مع اسٹاف ہند و ٹکنیکل انسٹیوٹ اور دو ایک اور انسٹیوشنوں کے دیکھنے کو گیا- چونکہ آج میں یہاں سے روانہ ہونیوالا تھا۔ اسلئے سامان کے باندھنے کا حکم دیا اور میں کہیں نہیں گیا۔

سات بجے شام کے میں تمام اسٹاف کے ساتھ اسٹیشن پر آیا۔ ڈبوں کا جو پہلے سے انتظام کیا جاچکا تھا ان میں سوار ہو کر ۱۰½ بجے الہ آباد کو روانہ ہوا۔

۲۶- جولائی ۱۹۱۳ء
م ۲- شہریور ۱۳۲۲ ف

کورکشیتر پر میری گاڑی پہونچی ڈبوں کے علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ ۹ بجے صبح کو زنانہ اسٹاف اشنان کو گیا۔ اور ایک بجے مع ہندو اسٹاف کے میں بھی اشنان کے لیے گیا۔

تھانیسر یا کورکشیتر سابق میں ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافت تھا لیکن اب ویران و سنسان پڑا ہے۔ یہ مذہب ہنود کا نہایت مقدس و متبرک مقام ہے ہندوستان کے ہر حصہ سے کثیر التعداد جاتری یہاں آتے ہیں مقدس تالاب جسے کورکشیتر کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ تالاب کے وسط میں ایک مندر بنا ہوا ہے جو دیگر منادر سے زیادہ قدامت رکھنے کی وجہ سے نہایت قابل تعظیم سمجھا جاتا ہے ہر زمانہ و دور میں تھانیسر ہندوؤں کا بہت بڑا معبد رہا ہے اسمیں جاتریوں کی تعداد کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات دس لاکھ تک پہونچ جاتی ہے۔ ۱۶- اپریل ۱۸۹۴ء میں سورج گرہن کے موقع پر ساڑھے سات لاکھ جاتری کی تعداد بتلائی گئی ہے زیادہ تر گرہن کے موقع ہی پر یہاں ہجوم ہوا کرتا ہے۔ ایک اور تالاب ریل کے پاس ہی ہے اسے سینا ہیت کہتے ہیں۔ اسمیں گرہن کے وقت نہانے کا مہاتم بتلاتے ہیں۔ یہ دونوں تالاب کچّے ہیں اور برسات کے دنوں میں یہاں زیادہ پانی بھر جاتا ہے۔ کورکشیتر کے کنارے کئی مندر اور حویلیاں بنی ہوئی ہیں جنمیں راجاؤں کی طرف سے سدا برت جاری رہتا ہے گھاٹ پکّے بنے ہوئے ہیں اور پاس ہی استھانیشور مہادیو کا

مندر ہے جس کے آگے ایک تالاب ہے اسکے مقابل دُرگا کا مندر اور رودر گا کوپ ہی۔ اِن تالابوں کے اِردگرد بڑا بھاری میدان ہے جس مین کورو پانڈوں کی مشہور گھمسان جنگ ہوئی تھی۔ اڑتالیس کوس کے گھیرے میں کوروکشیتر کا تیرتھ مانا جاتا ہے اور یہاں ۳۶۰ تیرتھ تبلائے جاتے ہیں جن کے مختلف مقامات پر مختلف نام رکھے ہوئے ہیں یعنے سال میں ہر روز ایک خاص جگہ نہانے کا مہاتم سمجھتے ہیں اور بہت سے آدمی اِس تمام حصہ کی پرکما بھی دیتے ہیں۔ یہاں کے باشندے مُردوں کے است (ہڈی) ہردوار نہیں بھیجتے کیونکہ وہ اِسکو اُس سے بڑا تیرتھ مانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہردوار کاشی میں تو چارپائی پر مرے تو بھی مُکت ہو جاتی ہے اور یہاں خواہ سات منزل کے اوپر مرے تو بھی مُردہ سیدھا بہشت کو جاتا ہے یہاں پہلے ۵۰۰۰ گھر پنڈون کے تھے۔ مگر اَب بہت کم رہ گئے ہیں۔ تھوڑے فاصلہ پر یہاں شیخ چلّی کا مقبرہ قابل دید ہے۔ کوروکشیتر کے سبجکٹ پر پانی پت اور الہ آباد کے زمانۂ قیام میں مَیں نے ایک مضمون لکھا تھا موقع اور مقام کی مناسبت سے ضیافتِ طبع ناظرین کیلئے پیش ہے۔

کورکشیتر

پڑا اتجنانہ میں ہو یا طوافِ کعبہ کرتا ہو

یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے کہیں ہو تیرا جویا ہو

آؤ چلو کورکشیتر آگیا۔ اسکے بھی درشن کرلو یہ وہ رزمگاہ ہے جس سرزمین پر

کورو پانڈوں نے اپنے دنیوی حقوق کے واسطے بڑے بڑے بہادر۔ سورما۔ چکرورتی دوست عزیز قرابتداروں کا خون بہایا۔ ہم اسکی تفصیل وار ہسٹری بیان کرنا نہیں چاہتے ورنہ ہمیں اِس موقع پر تاریخی حالات کو صفحۂ قرطاس کے اسٹیج پر رزمگاہ کا تماشا دکھانا مقصود ہے بلکہ اِس سرزمین کے درشن کرنے کے وقت ہمارا دل و دماغ جن اثرات سے متاثر ہوا ہے اُس کا کچھ مختصر حال بیان کرنا منظور ہے۔

ان بہادروں کے کارنامے مہابھارت کے لایق محقق مصنف نہایت خوبی سے لکھکر یادگار چھوڑ گئے ہیں جو دُنیا کی ہستی قائم رہنے تک اِن سیاہ حروف اور سفید کاغذ پر اپنا جلوہ دکھاتے رہیں گے۔ اور علم دوست محققین۔ پنڈت۔ عارف سنیاسی۔ پرمہنس برہمن چھتّری۔ ویش۔ شودر۔ سب پڑھتے رہیں گے اور اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق اِس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ اسٹیشن سے ٹھیک بارہ بجے میں اپنے دو مصاحبوں یعنے رامچندر پرشاد اور تلجارام کے ساتھ ایک ٹھیلہ یا ٹم ٹم میں جسکو ایک ضعیف گھوڑا جتا ہوا تھا سوار ہو کر چلا۔ آفتاب کی گرمی "وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار" اور ٹم ٹم کے طرفہ ہچکولے اپنا اپنا اثر آپ دکھا رہے تھے۔ یہ ٹم ٹم شمال کی جانب کی سڑک سے روانہ ہوئی جو بہ نسبت دوسرے راستوں کے بہت بہتر سمجھی جاتی تھی، مگر خدا کی پناہ اسکی عمدگی اِس حد تک تھی کہ ہچکولوں کے باعث دور روز تک اُٹھنا بیٹھنا محال ہو گیا۔ میں نے بھی یہ خیال کر کے کہ رزمگاہ میں سوائے مصیبت اور تکلیف کے راحت کی تلاش خبط ہے جو کچھ تکلیف ہوئی اسکو قبول کیا۔

ہماری جہانتک نظر پڑی درختانِ سبز پوش جو قامتِ کشیدہ مودب کسی کے جلوہ کے روبرو متحیر کھڑے تھے اور انکی خاموشی اور سکوت کا عالم اِس درجہ تھا کہ ایک پتّا بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا تھا اور اسکا منظر ناظرین کو یہ سبق دے رہا تھا۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

کوئی اور شے ہماری نظر کو محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ایک سنّاٹے کا عالم ہو کا میدان زمین سرخی مائل تھی۔ اور کیوں نہو کہ ابتک بہادر شہیدوں کا خون اس خاک میں اسطرح پوشیدہ ہے جسطرح حنا میں سُرخی۔ اس سرزمین پر ایک قسم کی بیکسی اور یاس ٹپکی پڑتی ہے کہیں کہیں دائیں بائیں دیول اور مندر شکستہ حالت میں اپنے گذرے ہوئے جوبن کو یاد دلا رہے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں۔

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

اَب وہ مقام آگیا جس کا نام "شنی کنڈ" ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بہادر راجپوت سورج بنسی اس مقام پر جب آفتاب غروب ہوجاتا تھا تو اکٹھے ہوکر ایک دوسرے سے ملتے تھے گویا دن کے دشمن اور رات کے دوست ایک دوسرے کی ہمدردی میں رطب اللّسان ہوتے تھے اور اپنے اپنے جنگی کارناموں پر فخریہ چشمکیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ زخمی سپاہیوں کی دلجوئی اور دوا درمن میں مصروف ہوجاتا تھا اور دشمن کے

زخمی سپاہی کے ساتھ طرفین سے ایسی ہمدردی دکھائی جاتی تھی جیسے کوئی خاص اپنے عزیز اور خویش کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتا ہے حقیقت میں۔ بنی آدم اعضاے یک دیگر ند۔ کی سائنس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف اور اُن کے دل توحید کی حقیقت سے آگاہ اور انکے ارواح اس میدان وحدت کی سیر کیئے ہوئے تھے اس لیے انکے نزدیک دوسرے کی زحمت گویا اپنی زحمت اور دوسرے کی راحت گویا اپنی راحت تھی بمصداق۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

الغرض ہم وہاں اُترے دو برہمن ہمارے نزدیک آئے اور اپنی پوربی زبان میں ہمیں دعائیں دیکر کہا کہ آپ اشنان کرلیں میں نے عذر کر کے اُنکی خدمت میں کچھ بھینٹ دیا اور اُن سے مختصر حالات جو اوپر بیان کئے گئے سنے اور وہاں سے سیدھے پھر مشرق کی طرف روانہ ہوئے۔ اب وہاں پہونچے جس کا نام کرک شیتر ہے۔ یہ ایک چشمہ ہے جس کو ہندوؤں کی اصطلاح میں کُنڈ کہتے ہیں۔ اسکے جنوبی کنارے ایک ٹیلہ ہے اسکو گھاٹ بھی کہتے ہیں۔ اسپر مہادیو کا مندر ہے اس مندر سے اِس کنڈ میں اُترنے کے لیے زینے بنے ہوئے ہیں۔ اُس چشمہ کا پانی گو زیادہ صاف نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زائرین کے جسم کا میل دھونے سے اسکی صفائی میں بھی کدورت آگئی ہے جو بالکل عارضی ہے۔ جب دُردِ عصیان تہ نشین ہو کر خاک میں مل جائیگا اِسکے

پانی کی حقیقی صفائی اپنا جلوہ دکھائے گی۔ یہ چشمہ کنول کی بیل سے سرسبز اور اُسکے
پھولونکو اپنی آغوش میں لئے ہوئے پرورش کررہا ہے۔ اِسکے مقابل شمال رُخ پر اور
ایک مندر جو لچھمی نارائن کے مندر سے موسوم ہے بنا ہوا ہے اسمین زینے ہیں جنپر یاتری
چشمہ میں اُترکر نہاتے ہیں۔ دونوں کنارے اسکے دو مندروں سے یہ اشارہ کرتے ہیں
کہ جنگ کے وقت جس طرح طرفین سے صف آرائی ہوئی تھی اور ہر ایک اپنے مقابل
کے حریف کی ہستی کو فنا کرنے پر فوج خون کی پیاسی ہتی تھی ویسے ہی یہ دونوں مندر ہر ایک
فریق کو اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کی شہادت دیتے جاتے تھے اور شجاعان میدان کو
حدوث و قدم کے جلوے چشم بصیرت سے دیکھنے کا وعظ کیا کرتے تھے اور فنا بقا کے
کرشمے پہچاننے کی فہمائش کیا کرتے تھے۔ مغرب کے کنارے سے مشرق کے کنارے کے
مندر کو جانے کے لیے ایک پختہ پُل ہے اُسپر سے گذر کر اُس مندر میں پہونچتے ہیں۔
جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس پُل کے دہنے بائیں ایک چشمہ دو حصوںمیں منقسم
نظر آتا ہے یہاں دوئی میں وحدت کا تماشا دیکھ لیجیئے۔ اسمیں شک نہیں کہ بظاہر مؤرخون
نے مہابھارت کے قصّہ کو جن پُرجوش الفاظ اور پُراثر واقعات سے تصنیف کیا ہے اسکے پڑھنے
سے گذرے ہوئے بہادروں کی شجاعت اور بسالت کے کرشمے نظر آتے ہیں اس جنگ
کا اصلی مقصود معارف کے فلسفہ کو سکھانا تھا جس کو ہادی برحق سری کرشن جی مہاراج
نے ارجن سے بزبانِ حق گفتگو کرکے ہدایت کی ہے اور دوئی کے حجاب کو اُٹھا کر وحدت
کا نظارہ بتلا دیا اور تحقیق کے پردے میں حق کا تماشا دکھا دیا۔ راہروانِ حقیقت کو کثرت

کے عالم میں وحدت الوجود کو ثابت کر دیا اور اوّل و آخر ظاہر و باطن شش جہت میں اُس ایک معبودِ حقیقی کے جلوے کو چمکا کر دکھا دیا۔

چھوؤں دِشا میں آپ سمایا — جت تت سوں میرے من بھایا
اندر باہر ڈھونڈت پھریا — ڈھونڈھ تھکے پنج آپا پایا

ہر ولی سے دنیوی لذات اور محبت کے جو دلوں پر دھاوا کیئے ہوئے تھے ان کو یہ کہکر فہمائش کی۔

ہیچ میدانی چہ چیزے چیستی وکیستی — خویش را در باب دالمُ ہستی ویا نیستی
آنکہ می گوید کلیم است آنکہ می شنود سمیع — آنکہ می بیند بصیر است اے بگو تو کیستی

الغرض اس جنگ میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ گمرہانِ طریقت ہادی برحق سری کشن جی سے ہدایت پاکر راستے پر آئیں اور اپنی اور جنگ کی حقیقت کو پہچان کر راضی برضاء الٰہی رہنے کا سبق حاصل کریں اسلیئے کہ

گر دعوئی ہستی است بہتان است ایں — در دعوی نیستی است کفران است ایں
اے حضرتِ انسان تحیر بنیاد — خود را نہ شناختی چہ عرفان است ایں

سبحان اللہ تعالیٰ شانہٗ جب ہم وہاں پہونچے چند براہمن جمع ہوئے ایک انمیں سے وکیل تھا ہمارے خاندان کا جس کو "پروہت" کہتے ہیں اُس نے ایک قدیم پرانی بیاض پیش کی اور ایک پرچہ کاغذ کا اُس کے ساتھ جو تقریباً ساٹھ برس کا ہوگا۔ اُس کاغذ میں میرے جدِّ امجد مہاراجہ بالا پرشاد المخاطب بہ راجہ دہراج نے اپنے قلم سے

اُس برہمن مسمی رامچندر آتمارام ویدی پنڈا کورک شتر کو سند لکھدی ہے کہ مشارٌ الیہ اس خاندان چند و لعل کی جانب سے وکیل مقرر کیا گیا۔ میں نے اِس دستخط کو پہچان کر آنکھوں سے لگایا تعظیم کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے خاندان میں سوائے میرے جد امجد راجہ دہراج کے اسوقت تک کسی نے کورک شتر کی جاترا نہیں کی۔ اسوقت بخت اور اتفاق نے مجھے بھی درشن کرنے کا موقع دیا میں نے بھی اِس وکیل کو اپنا وکیل تسلیم کیا۔

یہ برہمن مجھے اشنان کرنے کے لئے مصر ہوا چونکہ وقت بارہ بجے کا تھا میں اپنے معمولی حمّام یا اشنان سے فارغ ہو کر کھانا بھی کھا چکا تھا اصل مقصود میرا ان مقامات کو دیکھکر تاریخی حالات کے ساتھ مقابلہ کرکے اسکی موجودہ شان کو اُسوقت کی خیالی شان سے مطابقت کرکے عبرت کا سبق حاصل کرنا تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ جہاں جہاں بڑے اوتاروں نے اپنے خیر مقدم سے سرزمین کو سعادت بخشی ہے وہ سرزمین بیشک چومنے اور عظمت کے لایق ہے اور میں ادب کرتا ہوں اور عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں لیکن تیرتھ اور جاترا جو باعث نجاتِ ابدی سمجھے جاتے ہیں میرا عقیدہ اِس جگہ سوائے سکوت اور ادب کے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتا مگر ہاں سچّی عقیدت کا یہ فیصلہ ضرور ہے کہ۔

پار کہیں تو پار ہے اور وار کہیں تو وار
پکڑ کنارہ بیٹھ رہ یہیں وار یہیں پار

لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ بدون معرفت حاصل ہونے کے نجات اور سرورِ دائمی اور اطمینانِ خاطر ہرگز ہرگز نہیں حاصل ہو سکتا

الغرض میں نے وہاں کے برہمنوں کی خاطر سے گرمی کے وقت ٹھنڈے پانی میں ایسے مقدس مقام پر جس کے دامن کے ساتھ کروڑہا نفوس کے عقائد وابستہ ہیں مناسب سمجھکر اشنان کیا اُسوقت مجھے یہ رُباعی یاد آئی۔

آں آبِ حیاتے کہ بشر میجوئید   وز ہر طرفش نشانِ راہش پوئید
پیوستہ بدریا بمثالِ ماہی   گرد رنگرندائے ولے دراوئید

فی زمانہ رسومات میں افراط تفریط ہونے سے اصلی حسن کی خوبی جاتی رہتی ہے اس لیے میں افراط تفریط کے ساتھ کسی رسم کو بھی ادا کرنے میں احتیاط کرتا ہوں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بہت سے رسومات یہ کہکر ترک کردیئے۔

ہم مُوَحِّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اصلی مقصود جاترا کا یہ بھی ایک ہے کہ اسقدر دور دراز کا سفر اختیار کرکے ایسے مقامات پر آنا نہ صرف اس غرض سے ہے کہ اپنی ذات کو نفع پہونچے اس لیے کہ اپنی ذات کو نفع انسان ایسے ابواب میں ہر طرح پہونچا سکتا ہے مگر بہت بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم غربا اور مساکین اور مستحقین کی خدمات کریں اور خداوند عالم کی حکمت بھی یہی ہے کہ اپنے بندونکی خدمت کسی حیلہ سے بھی متمول نامدار شاندار لوگونکے ذریعے سے کراتا ہے

یہ خود ایک ایسی سعادتِ عظمےٰ ہے کہ اسکو ترک کرنا یا اسکو فضول سمجھنا دانشمندی سے دور ہے میں نے بہت خوشی سے اِن وکلا کی خاطرداری کی اور یہ کہکر غوطہ لگایا۔

ما مُنکر راہِ مسجد و کعبہ نہ ایم

راہیکہ بمقصود رساند دِگراست

اخّاہ یہ وہ چشمہ ہے جس میں جنگ کے زمانہ میں بہادروں کے خون کی ندیاں بہکر اسمیں اگر نہ ملی ہونگی تو کیا خون کے چھینٹے بھی نہ ملے ہونگے۔کیا یہ وہ چشمہ نہیں ہے کہ جسکے کنارے بہادر شہید کٹکر پڑے ہیں اور آخری وقت الوداع جانکندنی کی گرمی العطش العطش کہنے کو انکی اصلی بہادری کی غیرت تقاضا نہ کرتی ہوگی؟

تشنہ لبی چاہتی ہوگی کہ کوئی خدا کا لال ایسا مل جائے کہ ایک گھونٹ پانی اِس چشمہ کا منھ میں ڈالدے مگر اُسوقت کوئی پانی پلانے والا نہیں ملتا پانی کے پاؤں تو ہیں نہیں کہ خود جاکر انکی تشنہ لبی کو سیراب کردے اسلیئے اسکی بھی یہ خواہش ہوگی کہ کوئی اسکو لے جاکر اُس بہادر کے سوکھے حلق میں ڈالدے جسکا آبِ خنجر کی حرارت کے باعث گلا خشک ہورہا ہے مگر اسوقت سوائے حسرت کے اسکے رازونیاز کو دیکھنے اور جاننے والا کون

واہ رے بہادرو۔کیسے تم سیدت ہو اور کیسی تمھاری بہادری ہے کہ خشک گلے رکھکر اور حسرت بھری نظروں سے اس چشمہ کو دیکھکر بھی تمنے اپنی ہوس پوری ہونے کے لیئے دشمن کا احسان تو کجا دوست کا بھی احسان نہ اُٹھایا اور چشم زدن میں اس چشمہ کے کنارے اپنی پیاری جان گنواکر امرت دھارا کی تمنا میں پیاسے اِس دُنیا سے سدھارے۔

بیشک۔ رُباعی۔

نے زا امید و فارغ از یاس و ہراس — ایں است عبادتِ فقیراں بشناس

از خود رستند و با حقیقت پیوستند — نے خطرہ و نے تفرقہ و نے وسواس

اُفوہ کلیجا منھ کو آتا ہے۔ آہ یہ وہ چشمہ ہے کہ جسمیں بیواؤنکی آنکھ کے آنسو دریا بنکر نہ ملے ہوں گے تو کیا ساون بھادونکی جھڑی کی طرح اسمیں اُن آنسوؤں کی بوندیں نہ برسی ہونگی جسمیں تمام مخلوق نہانے کو سعادت اور نجات ابدی خیال کرتی ہے۔

آہ کیا یہ وہ چشمہ نہیں ہے کہ شریف ستی کی جلی ہوئی راکھ اسمیں نہ ملی ہوگی کیا وہ چشمہ نہیں ہے جس کے کنارے ننھے ننھے بچے دودھ سے بلبلا کر اپنی شیریں جانیں گنوانے پر مجبور ہوئے مگر انکی پتی ورتا ماؤں نے اپنے شوہر کی جان کے مقابل اپنی اولاد کی جانوں کی پرواتک نہ کی۔ ننھی ننھی جانیں ماؤں کے سامنے تلف ہوگئیں۔ ماؤں نے اُن کا بلبلانا سنا اور اپنے دلوں پر صبر کا پتھر رکھ لیا مگر انکی دھن جو جو اپنے اپنے شوہرونکی زیست و مرگ کے ساتھ شخص و عکس کیطرح ایک روح دو قالب بنی ہوئی تھیں انھیں ذرا بھی پروا نہیں ہوئی (پریت) اپنے پتی کے سچے عشق کے مقابل اولاد کی محبت کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ ہائے آج کے روز اس چشمہ میں ہملوگ فخر سے نہاتے ہیں مگر اُن لوگوں کے نام پر چار آنسو نہیں بہاتے اور انکو یاد کرکے دل پر ہاتھ نہیں رکھتے۔

آہ کیا کلجگ کے زمانہ والو تمھارے دل پتھر کے ہوگئے ہیں۔ تمھارے کلیجے لوہا بنگئے ہیں کیا تم میں درد نہیں۔ اُلفت نہیں کیسے تم سنگدل ہو کہ تمھارا دل واقعات

سنکر بھی نرم نہیں ہوتا۔ مصائب پڑھ کر بھی دل نہیں پسیجتا۔ خیر مرگ انبوہ جشنے دارد۔ اسمیں شک نہیں کہ میں نے اسمیں برہمنوں کی خاطر سے اشنان کیا مگر جو جذبات میرے دل میں پیدا ہوئے جن کا اظہار قلم سے ہوا ہے اُنکی یاد آنے کے ساتھ ہی میری جو کیفیت متغیّر ہوئی اُسکو بیاں کرنا مبالغہ سے خالی نہو گا۔

الغرض اس ذریعے سے رزاقِ حقیقی کو جس جس کی خدمت مجھ سے کرانی تھی الحمدللہ اُن خدمات کی ادائی سے فارغ ہو کر اپنے کیمپ کو واپس ہوا اور اسپر ایک نظم لکھی جو درج ذیل ہے۔

غزل

آیا جو کُرکشیتر میں دیوانہ کسی کا ۔۔۔ نظروں میں پھرا جلوۂ خفّانہ کسی کا
کہتے ہیں اسے رزمگہِ کورو و پانڈو ۔۔۔ کہتا ہے کوئی یہ کہ ہے بتخانہ کسی کا
تاریخ کوئی اسکی سُناتا ہے یہ کہکر ۔۔۔ مشہور جہاں میں ہے یہ افسانہ کسی کا
اشنان کا جو کنڈ ہے دراصل وہ کیا ہے ۔۔۔ پُر ہے مے اُلفت سے یہ پیمانہ کسی کا
بتخانہ جو مشہور رہا دیو کا یاں ہے ۔۔۔ دراصل یہ بتخانہ ہے کاشانہ کسی کا
کسطرح سے اشنان کی سوجھی نہیں معلوم ۔۔۔ شیدا نہ ہوا تھا دلِ دیوانہ کسی کا
ہاں مظہرِ حق یہ بھی تو ہے شاد نہیں شک ۔۔۔ کیا خوف اگر تو ہوا دیوانہ کسی کا
بتخانہ میں جز بت کے ہے کیا اور بظاہر ۔۔۔ لیکن ہے حقیقت میں یہ بتخانہ کسی کا
شاہانہ جو دربار کسیکا ہے تو اے شاد ۔۔۔ ہے یاں بھی مگر ٹھاٹھ فقیرانہ کسی کا

میں تمام دن یہاں اسٹیشن پر رہا اور شب کو ۹ بجے بذریعہ اسپشل روانہ ہوکر شب کو
۱۱½ بجے پانی پت کے اسٹیشن پر پہونچا۔ فیاض علی خاں اسٹیشن ماسٹر کو رکٹ شتر کا میں شکر
گذار ہوں کہ اُنھوں نے مولوی عبدالعزیز صاحب پیرزادے کو بذریعۂ خط کے میرے
آنے اور گاڑیوں کے انتظام کے لیئے اطلاع دیدی تھی بلکہ حکم چند نام ایک شخص کو ہمارے
ساتھ کردیا تھا۔ میں نے اُسی وقت رامچندر پرشاد اور روڈہل راؤ انگریزی ماسٹر کو حکم چند کے
ساتھ مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس گاڑیوں کے انتظام کے لیے بھیجا۔ ۲ بجے یہ
لوگ واپس آئے۔

۲۷- جولائی ۱۹۱۳ء م ۲۱- شہریور ۱۳۲۲ ف

۷ بجے صبح کے ۸ گاڑیاں جنمیں دو رتھ اور چھ منجھولیاں تھیں اسٹیشن پر آگئیں اور میں ۸ بجے مع زنانہ اسٹاف کے حضرت
بخشیِ ہند شاہ شرف الدین ابوعلی شاہ قلندر فوق الوصل الحیدری قدس اللہ سرہٗ العزیز
کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔

بارگاہ میں حاضر ہونیکے بعد مجھ پر ایک ایسی بیخودانہ حالت طاری ہوئی جو
اِس سے کہیں زیادہ تھی کہ میں الفاظ میں اُسکو ظاہر کرسکوں۔ جلالت کے پردے
اُٹھے ہوئے تھے۔ وحدت کے جلوے کثرت کے پہلوؤں کو دبائے ہوئے تھے عزت
وجبروت کے آفتاب کی شعاعیں ہر در و دیوار پر اپنی روشنی ڈال رہی تھیں۔ اور
زبانِ حال سے کہ رہی تھیں :-

بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است

حضرت کے سرہانے حضرت کے معشوق کی قبر بنی ہے زیارت کی۔ عاشق و معشوق کے راز و نیاز کے اثر نے دل پر عجب طرح کی کیفیت پیدا کر دی سبحان اللہ۔ سچ ہے کہ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ ‘

درگاہ کے بیرونی دالان میں چار ستون سنگ کسوٹی کے نصب ہیں جو ہندوستان بھر میں ایک بے نظیر اور بیش قیمت سمجھے جاتے ہیں۔ مردانہ کی زیارت کے بعد محلات کی زیارت کا انتظام کر دیا گیا میں جس وقت روضہ میں زنانہ کو لیکر مکرر داخل ہوا ہوں بیساختہ زبان سے یہ شعر نکلا۔

پردہ اُٹھا کے اب تو دکھا جلوۂ جمال
مشتاقِ دید ہم ترے آئے ہیں دور سے

اسکے ساتھ ہی یہ مطلع بھی ذہن میں آیا۔

لبریز دل ہے ساقیِ کوثر کے نور سے ساغر بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے

چونکہ طبیعت کو ایک جوش تھا دوسرا مطلع بھی بیساختہ زبان پر جاری ہو گیا۔

جھپکی مری پلک نہ کسی رُخ کے نور سے
موسیٰ ہی تھے کہ ہو گئے غش برقِ طور سے

زیارت سے مشرف ہونے کے بعد مع زنانہ و مردانہ اسٹاف کے حضرت مخدوم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی درگاہ میں گیا۔ اِس درگاہ کے بیرونی دروازے پر

مولوی الطاف حسین صاحب حالی سے ملاقات ہوئی اور دیر تک اُن سے باتیں کرنے کے بعد رخصت ہوا۔ مولوی صاحب کی تعریف کس قلم سے لکھوں۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا اس وجود کو ابھی باقی رکھے۔ مولوی صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے روانگی کے قبل آکر ملیں گے۔ زنانہ و مردانہ اسٹاف کے ساتھ زیارت سے مشرف ہوا حضرت شاہ ولایت صاحبؒ کی درگاہ میں گیا اور یہاں سے حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مولانا غوث علی شاہ سے اگرچہ میری ملاقات نہیں ہوئی لیکن انکی توحید پرستی اور صلح کل مشرب کے واقعات نے (جسقدر پڑھے اور سنے گئے) مجھے معتقد کر دیا تھا۔ نادیدہ میں آپکا سچا بے ریا معتقد ہوں اور دیرینہ آرزو کے پورا ہونے کی مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ اور درحقیقت زیارت سے اُن کے اللہ والے ہونیکا ثبوت ملا۔ وہاں مولوی گل حسن صاحب متولی و خلیفہ حضرت غوث علی شاہ قلندر سے دیر تک ملاقات رہی اور وہاں سے سیدھا اسٹیشن پر آیا حضرت بو علی شاہ قلندر کی نیاز سہ منی کا جو اہتمام کرایا گیا تھا چونکہ میں کسیقدر خستہ تھا نہ جا سکا اپنے دو مصاحبوں کو بھیجکر نیاز سہ منی کی فاتحہ دلوا دیگئی۔

۳ بجے شام کے ایک ڈیپوٹیشن آیا جس میں تحصیلدار تحصیل پانی پت و دیگر معززین تھے مجھ سے خواہش کی کہ میں انکے ساتھ دیوی کے درشن کو جاؤں لیکن میں نے اپنی خستگی کا عذر کیا اور ۵ مہر انگریزی اُنکی نذر کی۔

شب کا وقت عموماً خیالات کا جولانگاہ ہوا کرتا ہے صبح کے اشعار کو یاد کر کے ایک غزل

بہت تھوڑی دیر میں تمام کردی۔ وہ تینوں شعر مکرر لکھتا ہوں۔

جھپکی مری پلک نہ کسی رُخ کے نور سے | موسیٰ ہی تھے کہ ہو گئے غش برقِ طور سے
لبریز دل ہے ساقیِ کوثر کے نور سے | ساغر بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
پردہ اُٹھا کے اب تو دکھا جلوۂ جمال | مشتاقِ دید ہم ترے آئے ہیں دور سے
دیکھ آئے آج جلوۂ رخسارِ یار ہم | روشن ہے آنکھ روشنیِ شمعِ طور سے
کیا سمجھے اور حضرت موسیٰ سمجھ گئے | غمزہ ہوا جو چشم تجلّائے طور سے
مستی میں بھی ہے دِل کی مرے پاکدامنی | دامن بھی تر ہوا تو شرابِ طہور سے
ہے دل سے دور پر ترا جلوہ ہے آنکھ میں | دیکھا کیے ہیں ہم تجھے نزدیک و دور سے
وہ ہو نہ ہو مرا شررِ سوزِ قلب ہو | سنتا ہوں کوئی شعلہ اُٹھا کوہِ طور سے
کیا دیکھا کس کو دیکھا کہ یہ حال ہو گیا | لوگ آئے مجکو دیکھنے نزدیک و دور سے
اے دل نہ کڑھ نتیجۂ بُعدِ وطن ہے عیش | یوسف عزیزِ مصر ہوئے آکے دور سے
کیا احتیاج شمع ہے جس گھر میں تم رہو | روشن ہے قصرِ خلد تجلّیِ طور سے
دعوایِ دید پر بھی نہ دیکھا گیا جمال | موسیٰ بہت بعید ہے یہ اِک غیور سے
امید وصل سے بھی نکلتا نہیں ہے اَب | غم ایسا مل گیا ہے دلِ ناصبور سے
کیا دیکھیں کسکو دیکھیں کہ تاریک ہے جہاں | موسیٰ کی آنکھ میں ہے چکا چوند نور سے

جلجائے کوہ اور نہ موسیٰؑ پہ آنچ آئے
تاثیر بدلی نار کی اے شادؔ نور سے

چونکہ میں اسٹیشن پڑاؤ بونیں تھا جنگل کا واسطہ۔ شمع پر پروانوں کا ہجوم اندازہ سے زائد تھا۔ میں نے اپنے مصاحب رامچندر پرشاد کو جو اسوقت میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے مخاطب ہو کر فی البدیہہ ایک شعر سُنایا۔

عشق میں جی سے گذرنے ہی سے ہوتا ہے فروغ
نام روشن ہوا جل بجھنے سے پروانے کا

کسی قدر وقفہ سے دوسرا شعر بھی موزوں ہو گیا۔

چارسو دیکھ رہی ہے یہ اُٹھائے گردن
شوق نظارہ ہے کیا شمع کو پروانے کا

طبیعت کو حاضر دیکھ کر یہ غزل بھی پوری کی۔ مطلع یہ ہے۔

پنجۂ غیر سے جب کام لیا شانے کا — زلف سے اسکی لڑا دم مرے شانے کا
بت پرستی میں بھی ترکِ دبِ دیں نہ گیا — سنگ ہم کعبہ میں رکھ آئے صنمخانے کا
روتے ہی روتے کٹی عمرِ طبیعی اس کی — کسقدر شمع نے غم کھایا ہے پروانے کا
حشر ہو جائے تو فرصت میں سُناؤں اسکو — ایک دفتر ہے مری زیست کے افسانے کا
سالکِ راہ طریقت تمھیں سمجھیں اے شیخ — راستہ چل کے بتا دو جو صنم خانے کا
ہیں ازل سے نگہ مست کے کیفی ہم رند — نام لب پر بھی نہ لائے کبھی پیمانے کا
ہر کوئی اپنے طریقہ پہ چلا جاتا ہے — کوئی کعبہ کا ہے رہرو کوئی بتخانے کا
کفر و اسلام کے جھگڑوں سے سبکدوشی ہے — ہم پیالہ پیئے بیٹھے ہیں جو میخانے کا

ہم موحّد ہیں کیا کرتے ہیں اکثر اے شادؔ
کبھی کعبہ کا طواف اور کبھی بُتخانے کا

اور دو غزلیں جو مختلف قافیہ ردیف میں موزوں ہوئیں انکو بھی ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

خالی نہ گئی زحمتِ فریاد اثر سے — تھامے وہ کلیجے کو نکل آئے ہیں گھر سے
آنکھوں سے ترے دلمیں میں آسکتا ہوں لیکن — مجبور ہوں نیرنگیٔ اندازِ نظر سے
یارانِ عدم ہمسے سُنو حالتِ دنیا — اس خواب کو دیکھ آئے ہیں ہم اپنی نظر سے
سب اپنے مزاروں سے قیامت میں اُٹھینگے
شادؔ اُٹھے گا شاہنشہِ اجمیر کے در سے

محشر میں خراماں جو وہ بیداد گر آیا — فتنہ نے کہا اُٹھکے یہ فتنہ کدھر آیا
بے ساختہ دل تھامے ہوئے وہ ادھر آیا — کیا جذبِ محبت میں مرے کچھ اثر آیا
کیا کیا نہ ہوا وصفِ شکیبائیِ اغیار — میں غضب کو تڑپتا جو درِ یار پر آیا
در دُ اُٹھا کس آداب سے تعظیم کی خاطر — جب دلمیں خیالِ بتِ بیداد گر آیا
اے داورِ حشر بھلائی کہ بُرائی — جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ دنیا میں کر آیا
آج اسپہ توکل اُسپہ مرے اُس سے لڑی آنکھ — جینے کا طریقہ نہ ہمیں عمر بھر آیا
اکدن بھی نہ ٹھکرائی گئی تربتِ عاشق — فتنہ بھی اُٹھا نا نہ تجھے فتنہ گر آیا
کیا جانیئے کیا ملکِ عدم کی ہے فراغت — ہستی میں جب آیا ہی کوئی نوحہ گر آیا

کچھ اپنی نہیں مجکو خبر کون ہوں کیا ہوں ہستی ہیں عدم سے میں بہت بیخبر آیا

اے اہل عدم شکر ہے خوش گذری کہ ناخوش طے مرحلۂ عمر بہر حال کر آیا

زایر ہوا میں بُو علی شاہ کا اے شاؔد

ارمان بر آیا مرا ارمان بر آیا ٭

۲۸۔جولائی ۱۹۱۳ء
م ۲۲۔شہریور ۱۳۲۲ف

آج صبح کو مولوی الطاف حسین صاحب حالی آئے۔ ان کا دم نہایت غنیمت ہے گو پیری نے اپنا عمل دخل کر لیا ہے۔ مگر دل جوان اور عقل آزمودہ کار ہے۔ انکی ہر بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں ایسی اُترتی ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ خدا زندہ رکھے لطفِ صحبت سے میں نہایت محظوظ اور مستفید ہوا۔ بہت دیر تک باتیں رہیں۔ ۱۱ بجے ہمارے ڈبّے روانہ ہونیوالی ٹرین میں لگائے گئے اور ہم وہاں سے روانہ ہو کر ڈیڑھ بجے دہلی پہونچے۔ شب کو میں نے یہیں مقام کیا۔ اور ضروری تاروں اور خطوط کا جواب دیا۔

۲۹۔جولائی ۱۹۱۳ء
م ۲۳۔شہریور ۱۳۲۲ف

۱۰½ بجے ہماری گاڑی چھوٹی اور ۳ بجے متھرا اور متھرا سے روانہ ہو کر ۷ بجے آگرہ فورٹ اور آگرہ فورٹ سے ۱۰ بجے شب کے روانہ ہو کر صبح کے ۶ بجے کانپور پہونچی چونکہ میں اپنے فرزند برخوردار عثمان پرشاد اطال اللہ عمرہٗ کی نادرستی مزاج کی وجہ سے سرعت کے ساتھ سفر کر رہا تھا لہذا اِن مقامات پر معمولی وقفوں کے سوا زیادہ قیام نہیں کیا۔

۳۰۔جولائی ۱۹۱۳ء
م ۲۴۔شہریور ۱۳۲۲ف

آج صبح کو چھوٹی حاضری کے کچھ دیر بعد درد شکم میں مبتلا ہوا۔ سیّد برہان صاحب اسسٹنٹ ڈاکٹر محمد حسین نے جو میرے اسٹاف

میں تھے دوا حاضر کی ۱۲ بجے افاقہ ہوا لیکن تسکین نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے بیریا دوست اکبر حسین اکبر پنشنر جج کو بذریعہ تار اپنی آمد کی اطلاع دی اور اپنے مصاحب راجپندر پرشاد کو کرایہ کی موٹر لانیکے لیے حکم دیا مگر نہ ملی۔ شب کے ایک بجے کانپور سے روانہ ہو کر ۵ بجے صبح کے فتحپور رہسوہ ہماری گاڑی پہونچی۔ اپنے ڈبے علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ اسلئے کہ مجھے حضرت نجم الدین میاں شاہ صاحب کی زیارت کا بیحد اشتیاق تھا۔

۱۳۔ جولائی ۱۹۱۳ء م۔ ۲۵ شہریور ۱۳۲۲ ف

چھوٹی حاضری سے فراغت پاکر مع دو تین مصاحبوں اور خدمتیوں کے حضرت نجم الدین میاں کی ملاقات کو گیا۔

جب میں تکیۂ شریف کے قریب پہونچکر گاڑی سے اُتر کر دیکھا کہ ایک چھوٹے سے ٹیلہ پر مشرق رُخ پر ایک مسجد چھوٹی سی بنی ہوئی ہے۔ شاہ صاحب مسجد کے باہر کے ڈھلیہ کے قریب چہل قدمی کر رہے ہیں اور چشم براہ ہیں۔ گویا کسی کے انتظار میں ہیں۔ ہمکو دیکھکر دونوں ہاتھوں سے ہمارے مقام پر ہمکو کھڑے رہنے کا اشارہ کیا تھوڑی دیر کے بعد ایک مرید اُن کا آیا اور کہا کہ تم میں سے ایک آدمی حضرت کی خدمت میں باریاب ہو۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور حضرت کی شرفِ قدمبوسی سے مشرف ہوا حضرت کی قوتِ جاذبہ سلوک کی حالت پر غالب تھی جس نے چہرہ کے رعب کو جھکا دیا تھا۔ آنکھ کو یارا نہ تھا کہ اُنکی طرف دیکھ سکے۔ میں جسوقت قدمبوس ہوا ہوں حضرت نے پہلے مجھ سے نام دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا کہ اپنے خادم شاد کو فراموش کر گئے۔ تب تو مجھے اپنے سینہ سے لگا کر زور سے دبایا۔ مزاج پوچھا۔ اور ایک تخت پر جو صحن میں بچھوایا گیا تھا

بیٹھ گئے۔ مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ مگر حضرت کی توجہ باطنی کا اثر میرے قلب کو متاثر کر چکا تھا۔ مقناطیسی کشش نے مجھے ہمہ تن اُن کے دید درشن کی طرف محو کر دیا۔ مدتوں کی خون دل سے پالی ہوئی آرزو تقاضا کرتی تھی کہ منتظر آنکھیں دیدار سے فیضیاب ہوں مگر جذباتی رُعب کا حجاب حائل تھا۔ میں سنجیدہ تھا اور اپنے جذبات کو روک رہا تھا۔ آخر اس خاموشی کے حجاب کو سلسلۂ کلام سے خود ہی حضرت نے اُٹھایا اور فرمایا کہ سفر میں بہت تکلیف ہوئی۔ اچھی طرح بیٹھو۔ کب جاؤ گے؟ ہر سوال کا جواب عرض کیا گیا۔ فرمایا نامناسب نہو گا اگر شام کو بھی مجھ سے ملو۔ بہت خوب کہکر برخوردار عثمان پرشاد کے لیے دعائے صحت کی خواہش کی اسکو قبول فرمایا مگر وہی آخر ہوا جو مقتضائے مشیت تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوا۔ اِن کے مریدوں سے ایک شخص نے تعمیر مسجد کے متعلق ایک درخواست پیش کی برخوردار عثمان پرشاد کی طرف سے دوسو روپیہ اُن کو دیکر وہاں سے ½-۱۰ بجے اسٹیشن کو واپس ہوا۔ دوپہر کا وقت اسٹیشن پر قیام میں نے نظم کی طرف اپنی طبیعت کو رجوع کیا۔

طبیعت چاہتی ہے آج جائیں بزم زنداں میں
وہاں سے ساتھ لیکر جائیں ساقی کو گلستاں میں

نہیں ہے کچھ نئی یہ بات اے دستِ جنوں لیکن
چلی آتی ہے آپس کی رقابت جیب و داماں میں

فقط اک شغل ہے دستِ جنوں کیواسطے ورنہ
رکھا ہی کیا ہے ہاں کچھ تار ہیں اس جیب و داماں میں

کسیکے کیا چھڑائے سے چھٹے یہ کشمکش تو بہ
شگوفہ چھوڑ رکھا ہے جنون دست و گریباں میں

کلیجے میں کھٹک جاتا ہے ظالم پھانس کے مانند
ابھی تک یہ اثر باقی ہے اسکی نوکِ مژگاں میں

نہیں ہے جنکو کچھ صبحِ وطن کا لطف ہی حاصل
مزہ آئیگا کیونکر اُن کو پھر شامِ غریباں میں

یہ اندیشہ ہے بل پڑ جاتے قسمت میں نہ کچھ میری
پھنسا ہی طائرِ دل جاکے اسکی زلفِ پیچاں میں

یہ کفر و دیں کے جھگڑے سے ہمیشہ دور رہتا ہوں
ہی اندیشہ نہ پھنس جاؤں کہیں میں جاکے زنداں میں

ترے در پر کھڑا ہی شادؔ پھیلائے ہوئے دامن
الٰہی گوہرِ امید بھر دے اسکے داماں میں

غزل دیگر

ہندو ہیں بہت اور مسلمان بہت ہیں
لیکن کہوں کیونکر کہ خوش ایمان بہت ہیں

کسطرح سے انسان کے ارمان ہوں پورے
ہی عمر بہت تھوڑی سی ارمان بہت ہیں

الفاظ تراشے ہوے ہیں کافر و مومن
سچ پوچھو تو ہر دین کے انسان بہت ہیں

اترا گئے ہم عاشقِ جانباز جو کہلائے
معشوق وہ کہلا کے پشیمان بہت ہیں

کیا مجھ سا وفادار بھلا کوئی ملے گا
ہر چند کہ عاشق ترے ایجان بہت ہیں

اللہ بچائے کہ ہیں دلمیں الم و یاس
اِس گھر کے اُجڑنیکے بھی سامان بہت ہیں

ناسازیِ تقدیر کی تدبیر ہو کس سے
وہ کام ہیں دشوار جو آسان بہت ہیں

کیا جانے ابھی وہ کہ جفا کیا ہے وفا کیا
کمسن ہیں بہت سادہ ہیں نادان بہت ہیں

ہر بات پہ اغماض کیئے جاتے ہیں وہ کیوں
دیکھو تو اُنھیں آج وہ انجان بہت ہیں

اللہ سلامت رکھے اِس دستِ جنوں کو
کرنیکے لیے چاک گریبان بہت ہیں

کیا شکر ادا ہو سکے محبوبِ دکن کا
شادؔ آصفِ ذیجاہ کے احسان بہت ہیں

طبیعت دم محبت میں وفاداری کا بھرتی ہے — سراسر بیوقوفی ہے غلط یہ کام کرتی ہے

وہی ہیں چار عنصر اک کرشمہ اسکی صنعت کا — یہی مٹی بگڑتی ہے یہی مٹی سنورتی ہے

اگرچہ خالق و مخلوق کا سائنس منکر ہے — مگر بے قوتِ اعلیٰ کوئی پستی اُبھرتی ہے

نہ ہم میں بیوفائی ہے نہ ہم میں خودنمائی ہے — ہماری بیخودی ناحق ہمیں بدنام کرتی ہے

زمانہ کی طبیعت دیکھ اے شادِ ہنرپرور
تنفر انڈیں بیوی سے لیکن مس پہ مرتی ہے

غزل دیگر

نہیں ہے جام تو چلو خدا کی راہ ملے — کبھی تو ہمسے بھی پیرِ مغاں نگاہ ملے

ہماری کون سنے گا ملے گی داد کسے — تمھاری طرح سے کوئی اگر گواہ ملے

گیا جو میں طرفِ میکدہ تو رستے میں — کہیں تو کعبہ کہیں دیر و خانقاہ ملے

ترا ہی دونوں جہاں میں ہے آسرا ہمکو — ترے ہوئے تو ہمیں پھر کہاں پناہ ملے

خدا کی دی ہوئی نعمت کا شکر ہے تو یہ ہے — کہ منعم اپنے فقیروں سے گاہ گاہ ملے

طلب ہے حضرِ طریقت کی اسلئے ہردم — خدا کے گھر کی ہمیں کوئی ایک راہ ملے

نہیں ملاتے اگر دل تو خیر جانے دو — خدا کے واسطے کافی ہے گر نگاہ ملے

میں کب سے منتظرِ راہ اُن کا بیٹھا ہوں — بناؤں آنکھ کا سرمہ جو گردِ راہ ملے

مجھے تو کوچۂ محبوب سے ہے کام اے شادؔ — غرض نہیں ہے مجھے دیر و خانقاہ ملے

رباعی

شاد احمدِ مرسل کی ثنا کرتا ہے — حق بندگی حق کا ادا کرتا ہے
ممدوح خدا کی مدح ماشاءاللہ — بندہ ہے مگر کارِ خدا کرتا ہے

۵½ بجے شام کے پھر میں مع مصاحبین حضرت نجم الدین میاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور شرفِ ملاقات سے مشرف ہو کر ۶½ بجے فتحپور کے اندر گیا بازار قطع کرنے کے بعد حضرت سید شاہ قبلہ کی درگاہ میں فاتحہ پڑھکر کیمپ کو واپس ہوا۔

شب کے آٹھ بجے ایک ڈیپوٹیشن ہندو پاٹ شالہ کا آیا جن میں نانک چند کھتری و رامچندر وکیل و کامتا پرشاد کایستھ وغیرہ تھے اور ایک انگریزی اڈریس پیش کیا جسکے آخر میں خواہش کیگئی تھی کہ ہندو پاٹ شالہ میں مَیں بھی شریک ہو کر مالی مدد کروں۔ میں نے وہ عرضی لیکر رامچندر پرشاد کو دی اور الہ آباد میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ شب کے ۱۲½ بجے میرے ڈبے گوڈس ٹرین میں لگادیے گئے اور میں قبل طلوع آفتاب الہ آباد کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔

یکم اگست سنہ ۱۹۱۳ء
م ۲۶ شہریور سنہ ۱۳۲۲ف

اپنے ڈبے علیحدہ کراکر ایک طرف قیام کیا۔ لاہور سے الہ آباد تک پنکھوں اور روشنی کی مجھے ناقابل برداشت تکلیف برداشت کرنی پڑی کیونکہ میرے سیلون اور فرسٹ کلاس و سکنڈ کلاس وغیرہ میں بجلی کی قوت بہت کم تھی جسکا الہ آباد میں انتظام کیا گیا۔ آج برخودار عثمان پرشاد کا ٹمپریچر ایک سو دو درجہ تھا جسکی وجہ سے میں نہایت پریشان تھا۔ کوٹھی کا انتظام کیا گیا مگر کوئی کوٹھی دلخواہ

نہ ملی میں تمام دن کہیں نہیں گیا۔ شام کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب آئے اُن سے ملکر میں نہایت خوش ہوا دیر تک لطفِ صحبت حاصل رہا۔ خواجہ صاحب بچے کی حالت دیکھکر واپس گئے اور ایک ڈاکٹر زاہد حسین صاحب کو لاکر بچے کو دکھایا ڈاکٹر صاحب نے دیکھکر کہا کہ ٹمپریچر کی زیادتی حرج ہے دانت نکلنے کا زمانہ ہے کوئی اندیشہ نہیں۔

کرایہ کی کوئی کوٹھی نہ ملنے کی وجہ سے ۶ بجے شام کے میں نے مہاراجہ بنارس کو انکی کوٹھی کے لیئے تار دیا۔ بارہ بجے شب کے سو رہا۔

۲۔ اگست ۱۹۱۳ع
م۔ ۲۷ شہریور ۱۳۲۲ف

کرایہ کی موٹر منگا کر مہادیو پرشاد کی کوٹھی دیکھنے کیلئے رامچندر پرشاد کو لیکر گیا مگر وہ مجھے ناپسند ہوئی برخوردار عثمان پرشاد کا ٹمپریچر آج کسی قدر کم ہے۔ میں نے رامچندر پرشاد اپنے مصاحب اور رام او خزانچی کو راجہ پوان کی کوٹھی دیکھنے کے لیے حکم دیا۔ وہ گئے اور خبر لائے کہ وہ کوٹھی کرایہ پر دیدیگئی ہے۔ اسکے بعد مہاراجہ دربھنگہ کی کوٹھی کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ کوٹھی خالی ہے مگر میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اُن کو تار دوں۔ میں نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے ساتھ رامچندر پرشاد کو کوٹھیاں دیکھنے کے لیے بھیجا مگر ناکامی ہوئی۔ بارہ بجے دوپہر کے پھر ڈاکٹر زاہد حسین صاحب نے آکر بچے کو دیکھا ۵ بجے کھتری سبھا کا ایک ممبر گوبر پرشاد آیا مگر میں نے ملاقات نہیں کی۔ ۴ بجے گنگاداس و رامجی داس مہنت بڑے اکھاڑے والے آئے اُن کے جانے کے بعد چھوٹے اکھاڑے والے مہنت آئے ملاقات کی بڑے اکھاڑے والوں سے کوٹھی کے انتظام کے متعلق کہا مگر چونکہ مہاراجہ بنارس کا تار کوٹھی

لینے کے لیے آچکا تھا اسلئے انکاری جواب دیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کوٹھی پہلے ہی سے رُکی ہوئی ہے۔ آج میرے ڈبوں میں بجلی بھری جا رہی ہے۔

آج میری رانیاں مع اپنے ہندو زنانہ اسٹاف کے گنگاجی کے اشنان کو گئیں۔ رام اُو خزانچی اور ایک گارڈ راجہ پلٹن کا اُن کے ساتھ گیا۔

۳۔ اگست ۱۹۱۳ء
م۔ ۲۰۔ شہریور ۱۳۲۲ف

الہ آباد میں میرا آنا زیادہ تر اکبر حسین صاحب اکبر پنشنر جج کی ملاقات کی غرض سے تھا لیکن اتفاق سے اِسی زمانہ میں اُن کے جوان ہونہار فرزند نے انتقال کیا تھا جس کے صدمہ سے وہ سوگوار تھے۔

صبح کو چھوٹی حاضری سے فارغ ہو کر بیٹھا تھا حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب آئے حضرت موصوف کے ساتھ رامچندر پرشاد کو لیکر اکبر حسین صاحب کے مکان پر جا کر اُنسے ملاقات کی۔ نہایت زندہ دل آشنا پرست عارف باللہ اور ہر فن مولیٰ ہیں۔ بہت دیر تک لطفِ صحبت رہا۔ کلام اُنکا درد سے بھرا ہوا ہوتا ہے مضامین بلند۔ بندش چست صاحب دیوان ہیں۔ ۱۰ بجے کے قریب میں وہاں سے واپس ہوا۔ رامچندر پرشاد اور اپنے ایک دوسرے مصاحب کو کوٹھی کے انتظام کے لئے حکم دیا گیا وہ دونوں گئے اور بعد تلاش بسیار لالہ رامچندر داس صاحب کا رام باغ جو گنگا کے کنارے شہر سے کسی قدر فاصلہ پر ہے دیکھکر آئے اور مجھے اطلاع دی۔ رامچندر داس صاحب کھتری یہاں کے سر برآوردہ معززین سے ہیں۔ دولتمندی کے اعتبار سے بھی ممتاز ہیں۔ چار بجے خود رامچندر داس صاحب میرے پاس آئے ملاقات کی اور مجھ سے خواہش کی کہ میں انکی رام باغ والی کوٹھی دیکھنے چلوں۔

چنانچہ میں نے موٹر منگوائی اور انکو ساتھ لیکر مع مصاحبوں کے رامباغ کی کوٹھی دیکھنے کے لیے گیا۔ موقع کے اعتبار سے تو وہ کوٹھی اس قابل تھی کہ میں اُسمیں ایک ہفتہ قیام کروں لیکن دو وجہوں سے مینے اُسکو پسند نہیں کیا۔ ایک یہ کہ شہر سے زیادہ فاصلے پر تھی اور مجھے برخوردار عثمان پرشاد کی نادرستیِ طبیعت کی وجہ سے بار بار ڈاکٹر کے بلانیکی ضرورت داعی ہوتی تھی۔ دوسرے اسمیں اسقدر گنجائش نہ تھی کہ میرے زنانہ و مردانہ اسٹاف کیلئے کافی ہو سکے۔ وہاں سے واپس ہو کر بذریعہ ایک چٹھی کے لالہ رامچنداس صاحب کی اخلاقی زحمت کا شکریہ ادا کیا اور وٹھل راؤ انگریزی محرر کو حکم دیا کہ جبلپور تک اسپشل کا فوراً انتظام کیا جائے اور ایک تار لالہ جیونداس گوکل چند سیٹھ جبلپور کو دیا کہ کرایہ سے کسی کوٹھی کا انتظام کریں۔ انگریزی محرر نے آکر رپورٹ کی کہ اسٹیشن ماسٹر ایک بجے شب تک اسپشل تیار کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں ۱۱ بجے شب کو مجھے اطلاع ملی کہ اسوقت اسپشل کا انتظام نہیں ہو سکتا کل ممکن ہے۔ چونکہ اسٹیشن پر ڈبوںمیں مقیم ہوں اتنے طولانی سفر میں مجھے کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی جیسی الہ آباد میں اسٹیشن پر ہوئی۔ ایک طرف تو برخوردار عثمان پرشاد کے ٹمپریچر بڑھنے کی فکر دوسری طرف میری دوسری لڑکی میر خورشید علی کی بیوی کو شدت سے بخار آ گیا۔ اِدھر ملازمین کا سفر کی تکلیف سے بیدل ہونا۔ ایک طرف کوٹھی کیطرف سے مایوسی۔ ڈبونکے دونو طرف صبح سے شام تک تیز دھوپ۔ اور بدبو سے دماغ کی درگت۔ بہرحال میں بارہ بجے اپنی فکروںمیں اُلجھکر سو گیا۔

۴۔ اگست ۱۹۱۳ء
م۔ ۲۹۔ شہریور ۱۳۲۲ف

صبح کو بیدار ہو کر اسپشل کے انتظام کا پھر حکم دیا چنانچہ دو بجے اسپشل تیار ہوئی اور ہم یہاں سے جبلپور کو روانہ ہوئے۔

اثناء قیام آلہ آباد میں جسقدر حصہ نظم کا دل و دماغ سے نکلا ضیافت طبع ناظرین کیلئے پیش ہے۔

غزل

کہتا ہے کون اسکو کہ وہ بے نمود ہے — ہے سب نمود اسکی وہی اِک وجود ہے
روزِ الست حق نے یہ تعلیم دی مجھے — ہستی و بود میری عدم کی نمود ہے
دودِ جگر سے میرے ہی یہ آسماں بنا — روزِ ازل سے وِردِ مرا یا ودود ہے
کیا جانے اسکو کوئی کہ یہ کسکی شان ہے — یہ رنگ چرخ کا جو ازل سے کبود ہے
عارف ہی گر تو چشمِ بصیرت سے دیکھ لے — ہر برگ اور ذرّے میں اسکی نمود ہے
موجود ہو کے رہتا ہے آنکھوں سے وہ نہاں — عین الوجود پر وہ عدیم الوجود ہے
جامِ جہاں نما ہے کہ پہلو میں دل مرا — ہر ایک کے ضمیر کی مجھ پر کشود ہے
بازارِ دہر میں ہے مشیت کا انتظام — ناشاد کیوں ہو شاد زیاں ہے نہ سود ہے

غزل

افشا ہوا یہ راز مری بے خبری سے — عالم کو تحیّر ہے تری جلوہ گری سے
کیا گرمی و سردی سے زمانہ کی ہوں آگاہ — وہ لوگ جو واقف نہیں خشکی و تری سے
لا دینا ہمیں بھی خبرِ فصلِ بہاری — کہہ دینا ذرا گل یہ نسیمِ سحری سے
افسوس کہ دل اسکا پسیجا نہ کسی دن — دل ٹوٹ گیا نالوں کی اس بے اثری سے
میں تیرا ہی بندہ ہوں تجھی سے ہے مجھے کام — کیا مجکو سروکار بھلا دربدری سے

مستوں سے ذرا پوچھے کیا اسمیں اثر ہے
واقف نہیں زاہد تو ذرا بیخبری سے

ٹھکراتے ہوے چلتے ہو عشاق کی تربت
محشر نہ بپا ہو کہیں اس فتنہ گری سے

بیخود ہوں مگر پھر بھی ہوں خوددار میں ای شاؔد
عالم ہے خبردار مری بے خبری سے

غزل

لبریز جام دیکھ کے نیّت بدل گئی
زاہد کا زُہد رہگیا ساقی کی چل گئی

ذکرِ خدا میں شیخ تھے مصروف رات دن
جلوہ جو مِس کا دیکھا تو نیّت بدل گئی

دلسوز شمع کیطرح اس بزم میں ہے کون
پروانہ کے فراق میں خود آپ جل گئی

ناکامیاب رہنے کا افسوس کیوں نہو
قابو میں اپنے آکے وہ میڈم نکل گئی

لکھی غزل غزل پہ یہ اکبرؔ کی رات کو
اپنی بھی اہل سیف سے تلوار چل گئی

ہے حسنِ بوستانِ فرنگ احسن الجمال
اے شاؔد کچھ تو اپنی طبیعت بدل گئی

غزل بر غزل اکبرؔ

بطونِ جلوۂ حُسنِ ازل آرا کو کیا کہئے
طریقت کا اشارہ ہے خدا کہئے خدا کہئے

خدا کہنے پہ کہتے ہیں نہیں پرماتما کہئے
قطعہ
اگر پرماتما کہتا ہوں کہتے ہیں خدا کہئے

مری وحدت پرستی پڑ گئی اے شاؔد ضغطے میں
نہیں کچھ کہتے بنتا ہے اگر کہیے تو کیا کہئے

ہماری بندگی بھی کم نہیں ہے کچھ خدائی سے
اسی کا گرچہ مظہر ہے مگر اس کو خدا کہئے

سنایا ہی کیے ہم داستانِ دردِ دل اُنکو
وہ کہتے ہی رہے کیا کہہ رہے ہو مدعا کہئے

ہے انسان دائرہ پرکار کا یا نقطۂ کثرت | اسی کو ابتدا کہیئے اسی کو انتہا کہیئے
جمالِ دوست نورِ حسنِ الخالق کا جلوہ ہے | بشر کے حسن کو بھی جلوۂ حسنِ خدا کہیئے
ہے دردِ عشق کا جھگڑا جہانمیں جسطرف دیکھو | اسی کو داستاں کہیئے اسکو ماجرا کہیئے
حقیقت میں مری ہستی ہے مظہر کنزِ مخفی کی | اسی کو عالم آرا کہیئے یا اسکو خدا کہیئے
خوشامد کرنیوالونکی یہی عادت ہے دنیا میں | برا بھی گر کہے حاکم تو اسکو بھی بجا کہیئے
قدیم و حادث اِسکے علم و خلقت میں ہوئے ہم بھی | وہ اپنی ابتدا کہیئے یہ اپنی انتہا کہیئے
ہوا جب ایک ذرہ جلوہ دارِ شانِ صحرائی | پھر اِس قطرہ کو دریا کا نہ کیونکر آشنا کہیئے
گرا کر پردۂ رسمِ پرستش دیر و کعبہ میں | کہا خود ہی کہ یاں تو رام کہیئے یاں خدا کہیئے
اُسیکی ذات واحد کا ہی پر تو دونوں عالم میں | نہ کہیئے گر خدا اسکو تو کہیئے پھر کہ کیا کہیئے
اُٹھایا پردۂ اسرارِ وحدت عین کثرت میں | مری ہستی کو اب تو مظہرِ رازِ خدا کہیئے
ازل کی صبح کو کنزِ خفی کی داستاں سنیئے | ابد کی شام کو صبحِ ازل کا ماجرا کہیئے

بہت اے شاد ہوئیں غمکش ناشادی دُنیا
اگر سنئے تو کیا سنیئے اگر کہیئے تو کیا کہیئے

ہماری اسپشل جس وقت ستنا اسٹیشن پر پہونچی تو جبلپور سے رائے بہادر جیونداس گوکل چند کا تار وصول ہوا کہ کوٹھی تیار ہے۔ جبلپور سے دو تین اسٹیشن اُدھر واجپے پٹیوا لک منیجر جیونداس صاحب کی طرف سے استقبال کیلئے آئے ہیں اُن سے ملکر خوش ہوا۔ آدمی زیرک خوش طبع معاملہ فہم اور سنجیدہ ہیں ساڑھے آٹھ بجے شب کے ہماری اسپشل جبلپور پہونچی۔

جیونداس صاحب کی اخلاق اور تہذیب کی خوبیاں اِس سے کہیں زیادہ ہیں کہ میں اُنکا اندازہ کر سکوں۔ نہایت ملنسار و منکسر خلیق زندہ دل ہیں۔ اسٹیشن پر موٹروں کا انتظام تھا۔ میں منیجر صاحب کے ساتھ کوٹھی دیکھنے کے لیے گیا۔ کوٹھی (گوبند بھون) ایک عالیشان اور اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھی جس کے دیکھنے اور پر فضا ہونیسے مسرت ہوتی تھی۔ اپنے محلات اور تمام اسٹاف کو اس کوٹھی میں اُتارا گویا الہ آباد کی ناگفتہ بہ تکلیف کی تلافی ہو گئی۔ بارہ بجے آرام کے ساتھ میں سو گیا۔

۵۔ اگست ۱۹۱۳ء
م ۳۰۔ شہریور ۱۳۲۲ ف

ڈبوں سے تمام ساماں منگوا کر ڈبے خالی کرائے گئے۔ چونکہ میری دوسری لڑکی یعنی میر خورشید علی دولھا نواب کی بیوی کو شدت سے بخار تھا اِدھر برخوردار عثمان پرشاد کا ٹمپریچر بھی اعتدال سے کسیقدر بڑھا ہوا تھا جس سے میں بیحد پریشان تھا۔ ڈاکٹر رائے وینڈراس صاحب کو بلوا کر دکھایا گیا اور ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ سے ایک نرس کو وہاں مقررہ فیس پر مقرر کیا گیا کہ تامریضہ کی نگرانی کرے۔

شام کے ½ ۵ بجے میرے معزز میزبان رائے بہادر جیونداس اور اُن کے فرزند گوبنداس میری ملاقات کو آئے میں اُنسے ملکر نہایت محظوظ ہوا۔ ۸ بجے شب کے الہ آباد سے میری تیسری لڑکی جسکی آخر ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ میں لالہ مہرچند لاہوری عرف سیٹھ فتو کے فرزند اقبال چند سے شادی ہوئی تھی اور لاہور سے کشمیر کو اپنی سُسرال گئی تھی (جس کی روانگی کا حال قیامِ لاہور کی تاریخوں میں آچکا ہے) اُنکے واپس ہونے کا

تار آیا۔ اسٹیشن پر صبحکو گاڑیاں بھیجدینے کا انتظام کیا گیا۔

۶-اگست ۱۹۱۳ء
م-۱۳ شہریور ۱۳۲۲ف

آج صبحکی ٹرین میں میرے سمدھی فتو سیٹھ لالہ مہرچند اور میرا داماد لالہ اقبال چند (دولھا راجہ) مع اپنی بیوی کے کشمیر سے آئے آج میں نے وٹھل راؤ انگریزی کلرک کو حکم دیا کہ بمبئی سے ایک سیلون اور فرسٹ و سکنڈ کلاس وغیرہ ڈبوں کے منگوانے کا انتظام کیا جائے۔ دن بھر میں کہیں نہیں گیا۔

آج بابا مست رام سے ملاقات ہوئی جو ایک آزاد منش سالک مجذوب اور مذہبی علوم کے ماہر درویش ہیں اور میرے معزز میزبان سیٹھ جیونداس صاحب کی کوٹھی ہی میں رہتے ہیں۔ یہ بالکل بے لوث اور تارک الدنیا ہیں۔ ابتدا میں انکی قوت جاذبہ سلوک پر بہت غالب تھی اب وہ بات تو نہیں ہے لیکن فقیرانہ جذب کی گرمی کا اثر اب بھی اُنکو گرمائے رہتا ہے خصوصیت کے ساتھ کسی ایک مقام پر نہیں رہتے دو دو دن کہیں چار دن کہیں جنگلوں میں نکل جاتے ہیں تو ایک ایک ہفتہ وہیں رہتے ہیں۔ جو کچھ جہاں سے ان کو ملتا ہے فوراً مندروں اور مختلف مقاموں میں جا کر غریب فقرا کے کھانے کپڑے سے خبر لیتے رہتے ہیں کسی سے سوال کرنیکی عادت نہیں فقرا میں میں نے ان کو نہایت بے طمع پایا۔

شام کو ۵ بجے موٹر میں بہ معیت دو مصاحبین و منیجر صاحب انگریزی بارکس کی طرف گیا۔ ڈیرہ دون کے مناظر سے یہاں کے اِس منظر کو ترجیح نہ دینے میں مجھے اپنی کوتہ نظری کے اقرار پر مجبور رہونا پڑے گا۔ میں نے اپنے اِس سفر میں ڈیرہ دون ہردوار وغیرہ

میں بہت سی دل لبھانیوالی سنیریاں دیکھیں اکثر ایسے دلچسپ مناظر میری نظر سے گذرے جن کو دیکھکر چمنستانِ کُنْ کی نظر فریب گلکاریوں پر بے اختیار سُبحان اللہ زبان سے نکل گیا۔ مگر اس منظر کی شان ہی اور ہے بات یہ ہے کہ جس چیز کی آبیاری قدرت کرتی ہے اور جس چہرہ میں نیچر کی مشاطہ کا سحر آفرین ہاتھ لگجاتا ہے اُس کے جذبات اس درجہ بڑھجاتے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے دل یک بیک ہاتھ سے نکلجاتا ہے۔ دُنیا ہر پہلو سے اِس امر کا تجربہ کرا رہی ہے کہ انسانی تکلفات اپنی صناعیوں سے چاہے جسقدر کرشمے دکھائیں مگر قدرت کی ایک ادنیٰ سی کاریگری اپنی سادگی کا تماشا دکھاکر سارے کرشموں کو خاک میں ملادیتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے خالقیت و مخلوقیت کا نازک اور واجب التسلیم مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

شام کا وقت ہے ڈوبتے ہوئے آفتاب نے پہاڑ کے مغربی حصّے کی ہر چیز کو اپنی سنہری کرنوں کے عکس کے آتشی رنگ میں رنگ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے سڑک کے دونوں طرف خودرو درختوں اور لہلہاتے ہوئے سبزہ نے پہاڑ کو اپنی آغوش میں لیکر اسوقت کی سینیری میں ایک خوشگوار تازگی اور دلچسپ کیفیت پیدا کردی ہے۔ پہاڑ کے اوپر فوجی بارکس بنے ہوئے ہیں۔ میں اِس پہاڑ کے آخری حصّے تک گیا۔ چونکہ آج ہی شکو میرے سمدھی فتو سیٹھ کشمیر کو واپس جانے والے تھے اس لئے میں اپنی ہوا خوری کی دلچسپی کو ناتمام چھوڑکر واپس آگیا۔ اور سیٹھ صاحب کو روانہ کیا۔

۸ بجے شب کے دیوان بہادر رائے بلب داس کی چٹھی آئی جس میں اُنھوں نے میری ملاقات کی خواہش کی تھی۔ جس کا جواب اُسی وقت دیا گیا کہ میں دوسرے روز دو بجے کے بعد اُن سے ملاقات کر سکوں گا۔

میری لڑکی کا ٹمپریچر آج کی شب ۱۰۴ کے قریب تھا جسکی وجہ سے مجھے سخت پریشانی تھی۔ اسی پریشانی میں بارہ بجے میں سو گیا۔

۷۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء م۔ یکم مہر سنہ ۱۳۲۲ ف

۶½ بجے بیدار ہو کر معمولی کاموں سے فراغت پائی آج میں نے اپنی بڑی مہارانی اور نانی صاحبہ قبلہ کو مع میر خورشید علی کی بیوی کے جو بخار سے علیل تھی اور جسکی نسبت ڈاکٹروں نے رائے قائم کی تھی کہ تپ محرقہ ہے۔ بلدہ کو روانہ کر دیا۔ انکے ساتھ میر خورشید علی کی سالی جو میری چوتھی لڑکی اور اقبال جنید کی بیوی کو بھی ساتھ کر دیا۔ صرف عثمان پرشاد اور اُن کی والدہ اور باقی بیگمات اور اُنکے بچوں کو یہیں رکھ لیا۔ وٹھل راؤ کو ڈبوں کے انتظام کا حکم دیا۔ ۲ بجے دیوان بہادر رائے بلب داس مع فرزند اور دو مصاحبوں کے میری ملاقات کو آئے میں اُن سے ملکر نہایت محظوظ ہوا دیر تک لطفِ صحبت رہا مجھسے اُنھوں نے وعدہ لیا کہ میں انکے گلاس فیکٹری کو دیکھوں چنانچہ میں نے کل چلنے کا وعدہ کیا۔ نہایت سنجیدہ دانشمند اور باوضع آدمی ہیں ان کے جانیکے بعد میں خود اسٹیشن پر گیا۔ ڈبوں کا انتظام ہو چکا تھا سب کو سوار کرا کے سات بجے کو واپس ہوا۔

۸۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء م۔ ۲۔ مہر سنہ ۱۳۲۲ ف

اول وقت تاروں اور خطوط کے جوابات ادا کئے۔ وٹھل راؤ انگلش کلرک کو بصیغۂ ضروری ڈبوں کے انتظام کا حکم دیا۔

۲½ بجے دیوان بہادر رائے بلب داس آئے اور میں مع اپنے دو مصاحبوں اور دیوان بہادر موصوف کے گلاس فیاکٹری دیکھنے کے لئے گیا اسکے قبل بلوریں اشیاء بنتے دیکھنے کا مجھے اتفاق نہ ہوا تھا۔ میں نے نہایت دلچسپی کی نظر سے گلاس و صراحی وغیرہ بنتے دیکھیں۔ اگرچہ فینشنگ اِس کام کی ولایتی کے مقابل میں کسی قدر گھٹی ہوئی ہے۔ مگر آفرین ہے رائے بلب داس کی ہمت اور شوق پر کہ اُنھوں نے اس کارخانے کو قائم کرکے ثابت کردیا کہ ہمارے ملک کے لوگ بھی ہنر کی قدر کرتے ہیں اور دل سے اس کا ذوق رکھتے ہیں۔ کارخانہ کے ہر حصّے کو تفصیلی نظر سے دیکھکر کام کرنے والوں کو دوسو روپیہ انعام دیکر کوٹھی کو واپس ہوکر بمبئی سے آئے ہوئے ڈبوں کو دیکھنے کے لئے اسٹیشن پر گیا۔

۹۔ اگست ۱۹۱۳ء
م ۳۔ مہر ۱۳۲۲ف

چونکہ آج مجھے یہاں سے بسوئے حیدرآباد روانہ ہونا تھا اسلئے معمولی ملاقاتوں اور ضروری کاموں کے سوا کوئی نیا کام نہیں ہوا۔ مست رام جی بابا سے آج پھر ملاقات ہوئی۔ ہر رنگ کے کھلے ہوئے پھول مجھے دیے۔ ایک پونڈ اُنکی نذر کیا گیا جسکو لیکر وہ فوراً بازار گئے اور ایک تھان چھلواری کا لیکر کسی مندر میں گئے اور وہاں غریب سادھوؤں کو تقسیم کرکے پھر میرے پاس آئے اور مجھے رخصت کرکے خدا حافظ کہکر چلے گئے۔

۷۔ بجے شام کے تمام سامان اسٹیشن پر پہونچگیا۔ ۸ بجے تک زنانہ و مردانہ اسٹاف اپنے اپنے ڈبوں میں بیٹھ گیا۔ اسٹیشن پر دیوان بہادر رائے بلب داس اور اُن کے فرزند اور نیز دیگر احباب مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ۱۰ بجے شب کے میں جبلپور

سے حیدرآباد کو روانہ ہوا۔

۱۰-اگست ۱۹۱۳ء م ۴-مہر ۱۳۲۲ف سے ۷-مہر یا ۶-رمضان المبارک سے ۹-رمضان المبارک تک راستے میں سوا معمولی وقفوں کے میں نے کہیں قیام نہیں کیا۔

۱۳-اگست ۱۹۱۳ء م ۷-مہر ۱۳۲۲ف ۹-رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ چہارشنبہ کو ½ ۱۲ بجے بفضل تعالیٰ شانہ حیدرآباد اسٹیشن پر دو مہینے کے بعد میرا سفر ختم ہوا۔
